A BRIEF ABSTRACT OF THE THESIS :

اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات

(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی)

پیشکردہ :- بصیر احمد خاں۔

ایم۔ اے، ایم۔ ٹی۔ ایچ، ایم۔ فل

نگراں :- ڈاکٹر قاضی زین الساجدین صدیقی

ایم۔ اے، ایم۔ ٹی۔ ایچ، پی۔ ایچ۔ ڈی

شعبۂ سُنّی دینیات

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی۔ علیگڈھ

BRA
M. A. LIBRARY
T 3363

A BRIEF ABSTRACT OF THE THESIS :

اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات

(مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)

پیشکردہ :- بصیر احمد خاں۔

ایم۔اے، ایم۔ٹی۔ایچ، ایم۔فل۔

نگراں :- ڈاکٹر قاضی زین الساجدین صدیقی

ایم۔اے، ایم۔ٹی۔ایچ، پی۔ایچ۔ڈی

شعبۂ سُنّی دینیات

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی۔علیگڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات" کے عنوان سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے لئے جو مقالہ تحریر کیا گیا ہے اس میں سید الطائفہ شیخ العرب و العجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی و مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات اور آپ کے ہمہ گیر اثرات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ ایک با فیض اور صاحب نسبت بزرگ اور کامل شیخ طریقت تھے اور گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں برصغیر ہند میں کسی بھی بزرگ سے اتنا فیض نہیں پہنچا جتنا آپ کی ذات بابرکات سے پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شرف بخشا ہے کہ آپ کے خلفاء اور مریدین شریعت اور طریقت کے جامع ہیں۔ برصغیر ہند میں آج جو دینی ادارے قائم ہیں اور تربیت باطن کا جو سلسلہ جاری ہے اس پر حضرت حاجی صاحبؒ کی چھاپ بہت گہری ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں اس کو اجاگر کیا گیا ہے۔ تصوف کے بارے میں جو عام غلط فہمی ہے کہ یہ آدمی کو میدان عمل سے ہٹا کر گوشۂ عافیت میں بٹھا دیتا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سیرت پاک اس کا پوری طرح رد کرتی ہے کیونکہ آپ نے اپنے ساتھیوں اور مریدوں کے ساتھ عملی طور سے جہاد ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا اور مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کے بعد ام المدارس یعنی دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں وہاں بیٹھے بیٹھے پوری دلچسپی لی اور توجہ معنوی اور ظاہری خبرگیری سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ مدرسہ دیوبند کا قیام حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء ہی کے ہاتھوں سے ہوا۔ ملکی اور ملی سیاست میں بھی شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ یہ دونوں بزرگ بھی حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں شامل ہیں۔

سلسلۂ امدادیہ کی برکات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تبلیغی جماعت

کے نام سے دعوت واصلاح کا جو کام آج پوری دنیا میں ہو رہا ہے اسکے بانی مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی (۱۳۰۳ھ — ۱۳۶۳ھ) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ — ۱۳۲۳ھ) کے مرید تھے اور حضرت حاجی صاحب کے ہی ایک اور خلیفہ مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ (۱۲۷۹ھ — ۱۳۴۶ھ) کے خلیفہ تھے۔ غرض سلسلۂ امدادیہ کا فیض جاری و ساری ہے۔ اس مقالہ میں حضرت حاجی صاحب کے ان دوررس اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

یوں تو حضرت حاجی صاحب بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے اور صرف کافیہ تک آپ کی تعلیم تھی لیکن "ارواح ثلاثہ" میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ "حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی ہاں اصطلاحات تو ضرور نہیں بولتے تھے"۔ اللہ نے حاجی صاحب کی ذات کو جامع طریقت و شریعت بنایا تھا۔ ان کے خلفاء میں اللہ نے علماء شریعت اور شیخ طریقت کی شان یکجا کر دی تھی۔ صوفی اور مولوی کا پرانا جھگڑا حاجی صاحبؒ نے ہی ختم کیا۔ دراصل یہی جامعیت حاجی امداد اللہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ طریقت کا مقصد بھی یہی ہے کہ طبیعت شریعت کے تابع بن جائے۔ قرآن کی اصطلاح میں اسے تزکیہ اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہا گیا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تزکیۂ باطن کے فن میں ماہر تھے اور مرتبۂ احسان انھیں حاصل تھا۔ اس مقالہ کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس تحقیقی مقالہ کے مضامین مندرجہ ذیل ہیں۔

باب اول۔ مختصر سوانح حیات: ابتدائی زندگی۔

اس باب میں حاجی صاحب کی ابتدائی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں مثلاً ولادت، نسب، وطن، تعلیم، تکمیل سلوک، پہلا سفر حج وغیرہ۔

حاجی امداد اللہ صاحب کی پیدائش قصبہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر (یوپی) میں ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ کو ایک فاروقی خاندان میں ہوئی۔ والد صاحب کا نام حافظ محمد امین تھا۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور پھر دلی تشریف لیگئے جہاں گلستان مولینا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (۱۲۲۵ھ — ۱۲۹۷ھ) سے پڑھی۔ حدیث شریف کی کتاب حصن حصین آپ نے مولوی قلندر صاحب جلال آبادی (المتوفی ۱۲۶۰ھ) سے پڑھی۔ ظاہری تعلیم زیادہ نہ ہونے کے باوجود بقول مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ — ۱۲۹۷ھ) اللہ نے آپ کی ذات کو نہ صرف عالم بلکہ عالم گر بنایا تھا۔ مثنوی مولانا رومؒ سے آپکو عشق تھا اور اسکی تعلیم آپ نے مولانا عبدالرزاق جھنجھانویؒ (المتوفی ۱۲۹۳ھ) سے حاصل کی تھی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے پہلے پیر و مرشد حضرت مولانا نصیر الدین نقشبندیؒ (المتوفی ۱۲۵۶ھ) تھے۔ ان سے ہی طریق نقشبندیہ میں خلعت خلافت حاصل کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد میاں نجیو نور محمد جھنجھانویؒ (۱۲۰۱ھ — ۱۲۵۹ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ حاجی صاحب اپنے نام کے آگے چشتی لگاتے تھے اور آپکو چاروں سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اجازت حاصل تھی۔

آپ کا پہلا سفر حج ۱۲۶۱ھ میں ہوا اور وہاں آپ زیارت روضۂ نبی کریمؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حج سے واپسی پر آپ مسجد پیر محمد والی، تھانہ بھون کے ایک حجرے میں قیام پذیر ہوگئے جہاں ان کے دو پیر بھائی حافظ محمد ضامن صاحب فاروقی تھانوی شہیدؒ (المتوفی ۱۲۷۴ھ) اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث فاروقی تھانوی (المتوفی ۱۲۹۶ھ) بھی حاجی صاحب کے ساتھ قیام فرما تھے۔ یہاں تک حاجی صاحب کی زندگی کا ایک دور ختم ہوتا ہے جو دراصل آگے کے کام کی تیاری کا زمانہ ہے۔

باب دوم - جہاد ۱۸۵۷ء

اس باب میں حضرت حاجی صاحبؒ کی جہاد ۱۸۵۷ء میں شرکت کا بیان ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو اللہ نے اس دور میں پیدا فرمایا جو مسلمانان ہند کیلئے

بہت ہمت شکن تھا۔ انگریز عملاً پورے ملک میں اپنا اقتدار قائم کر چکے تھے اور دہلی میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر صرف برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کے اقتدار کے تحفظ کیلئے علماء حق فکرمند تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک مجلس مشاورت مسجد پیر محمد والی تھانہ بھون میں ہوئی۔ حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو امیر المومنین تسلیم کرکے ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس جہاد کی ابتدا تھانہ بھون سے گذرنے والے انگریزوں کے ایک فوجی دستہ پر حملہ کرکے ہوئی۔ بعد میں شاملی میں جنگ ہوئی جس میں حافظ محمد ضامن صاحبؒ شہید ہوئے۔ اس جہاد میں حاجی صاحب کے زیر قیادت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دوسرے علماء نے عملی حصہ لیا۔ بالآخر تھانہ بھون پر حملہ ہوا اور انگریزوں نے شہر پر قبضہ کرکے وہاں تباہی مچائی۔ اللہ نے حاجی صاحبؒ اور ان کے رفقاء کو بچالیا اور وہ انگریزوں کے ہاتھ نہ آئے۔ اس معرکہ سے یہ بات روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں اور مریدوں نے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کیلئے سر کٹانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقا کیلئے وقف تھی۔

باب سوم: ہجرت کے بعد کے واقعات۔

اس باب میں جہاد ۱۸۵۷ء کے بعد کے واقعات درج ہیں۔ حاجی صاحبؒ کی روپوشی، ہجرت، مکہ مکرمہ میں قیام، بنائے مدارس دین و دیگر خدمات، حاجی صاحبؒ کے نکاح اور وفات کے واقعات درج ہیں۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد حاجی صاحب کافی عرصہ مختلف جگہ روپوش رہے اور بعد میں ۱۲۷۶ھ میں آپ نے مکہ معظمہ ہجرت فرمالی جہاں آپ اپنی وفات تک قیام پذیر رہے۔ حاجی صاحبؒ کے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کے مریدین برابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور آپ ان کی اصلاح اور تربیت فرماتے رہے۔ ذاتی ملاقات کے علاوہ

خطوط کے ذریعے حاجی صاحب اپنے مریدین کی خیر خبر رکھتے تھے اور نصیحتیں فرماتے رہتے تھے۔ اس مقالہ میں حسب موقع حاجی صاحبؒ کے مکاتیب گرامی جا بجا نقل کئے گئے ہیں۔ مکہ میں بیٹھ کر حاجی صاحب کو ہندوستان کی پوری فکر رہتی تھی۔ دیوبند میں مدرسہ کا قیام حاجی صاحب کی فکر، توجہ باطنی اور دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ حاجی صاحب مدرسہ کے لئے اپنی جیب خاص سے اس سستے زمانہ میں ایک روپیہ ماہانہ چندہ بھیجا کرتے تھے اور مدرسہ کے حالات کی پوری خبرگیری کے ساتھ ساتھ اس کے معاملات میں مشورہ بھی دیتے تھے۔ اس ضمن میں حاجی صاحبؒ کے مکاتیب گرامی ہمارے مقالہ میں نقل کئے گئے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب نے تین نکاح کئے۔ پہلا نکاح ۴۸ سال کی عمر میں ۱۲۸۱ھ میں بی بی خدیجہ خاتون سے ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح اپنی مخطوبہ سابقہ بی بی خیر النساء سے ۱۳۰۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ہی ہوا۔ ایک اور نکاح اخیر عمر میں ان صاحبہ سے کیا جو آپ کی زوجہ کے ساتھ رہتی تھیں اور چونکہ آپکی اہلیہ بھی ضعیف تھیں اور نابینائی ہونے کے سبب خدمت سے معذور تھیں لہذا رام پور منیہاران کی یہ خاتون خدمت پر مامور تھیں۔ حاجی صاحب نے صرف اس لئے یہ آخری نکاح کیا تاکہ وہ خاتون محرم بن جائیں اور بلا تکلف آپکی خدمت کرسکیں۔ اولاد کسی بھی بیوی سے نہوئی۔ حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کو رات کے دو بجے ہوئی۔ تدفین مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں ہوئی۔ عمر شریف چوراسی سال کی تھی۔

باب چہارم: تصوف اور اس کے سلاسل۔

اس باب میں تصوف کی حقیقت واہمیت اور اسلامی تعلیمات میں اسکے صحیح مقام کا تعین اور اسکے سلاسل کا بیان ہے اور حاجی صاحب کے سلاسل اربعہ کا تذکرہ ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا نام ایک قطب عالم شیخ طریقت کی حیثیت سے زندہ ہے۔ اس باب میں تصوف کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس کا مقصد بتایا گیا ہے۔ تصوف کا اصل قدیم نام، جسکی سنت اور آثار صحابہ سے تائید ہوتی ہے، احسان ہے، اسی کا نام سلوک ہے۔ تصوف کا مقصد تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن ہے۔ تصوف کی تعریف مختلف علماء اور صوفیاء کرام

نے اپنے اپنے علم اور احوال کے مطابق بیان کی ہے لیکن سب سے جامع تعریف احسان (یا تصوف) کی وہی ہے جو حدیث جبرئیلؑ میں حضور نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور امام بخاری نے اسے ایک طویل حدیث میں ارقام فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (حدیث شریف)

(اللہ کی عبادت اسطرح کر گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا، تو (کم از کم اس کا یقین رکھ کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔)

دل میں اس کیفیت کے پیدا ہونے اور اللہ کے لئے جینے اور اسی کے لئے مرنے کا نام تصوف ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے مجاہدے، تزکیۂ نفس کی کوششیں اور ذکر و شغل کے سلسلے ہیں۔ یہ سب کچھ جبھی ممکن ہے جب قلب کی اصلاح ہو جائے۔ اسی بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"بے شک بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ سنورا تو تمام جسم سنورا، اور جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑ گیا، اور یاد رکھو وہ قلب ہے" (بخاری شریف)

صوفیاء کرام کی پوری توجہ قلب کی اصلاح پر ہی مرکوز رہتی ہے۔ تمام اخلاق کا منبع قلب ہے اور قلب سے غیر اللہ کی محبت کو نکالنا اور اللہ کی محبت و اطاعت میں مشغول کرنا ہی تمام اذکار و اوراد کا مقصود ہے۔ اس مقالہ میں مشہور صوفیاء کرام جیسے حضرات جنید بغدادیؒ اور شبلی علیہ الرحمۃ کی ان کوششوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اصلاح باطن کیلئے کیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تصوف کی ضرورت اور اہمیت کے جواز میں "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" نے جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے مقالہ میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ارشاد کے مطابق خرقہ و بیعت کی اصل سنت سے ثابت ہے۔ جسے سید الطائفہ جنید بغدادیؒ نے رواج دیا۔

تصوف کے سلاسل یوں تو بہت ہیں لیکن چار بڑے سلاسل بہت مشہور ہیں جنہیں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کہا جاتا ہے۔

سلسلۂ قادریہ کی اساس حضرت غوث پاک سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اور آپکی خدمات عالیہ سے ہوئی۔ آپ جامع شریعت و طریقت بزرگ اور متبحر عالم تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۴۷۱ھ میں موضع بشتیریہ میں ہوئی جو گیلان کے مضافات میں تھا۔ وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی اور مزار شریف بغداد میں ہے۔ اللہ نے اس سلسلہ عالیہ کو بہت عروج اور شہرت عطا فرمائی ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے اصل بانی مبانی حضرت شیخ ابواسحٰق چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اسلاف ہیں مگر اس سلسلہ عالیہ کو عروج اور شہرت اور مقبولیت سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری، اجمیری قدس سرہٗ کی ذات گرامی سے حاصل ہوئی۔ اللہ نے ہندوستان میں تبلیغ دین اور اسلام کی اشاعت کا کام اور ارشاد و ہدایت کی خدمت سب سے زیادہ چشتیوں سے لی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔ خواجہ قطب الدین کے فیض تربیت سے خواجہ بابا فرید الدین گنجشکرؒ کی پاکیزہ شخصیت بنی اور ان کے سلسلے کو بہت فروغ ہوا۔ بابا فرید کے خلیفہ حضرت نظام الدینؒ سے سلسلۂ نظامیہ چشتیہ چلا اور دوسرے خلیفہ خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلریؒ سے سلسلۂ صابریہ چشتیہ چلا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اسی سلسلۂ عالیہ کے مہر تاباں ہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ کا قدیم نام سلسلۂ خواجگان ہے مگر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی جد و جہد کے نتیجے میں اس سلسلہ کو جو فروغ و اشاعت حاصل ہوئی تو بعد میں اسکا نام سلسلہ نقشبندیہ پڑ گیا۔ اس سلسلہ میں اتباع سنت اور اخفاء حال پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی خدمات اس ملک میں بقاء اسلام کے لئے لاثانی ہیں۔ انہوں نے مغل بادشاہ اکبر کے دین الٰہی کے فتنہ کا قلعہ قمع کیا اور ہندوستان

میں دین کی تجدید کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ مجدد صاحب کے پیر خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ تھے جنکا مزار پر انوار دہلی میں ہے۔ بعد میں ان کے صاحبزادے یعنی خواجہ معصوم رح نے اپنے والد کے تجدیدی کام کو اور ترقی دی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق مجددی سلسلہ سے بہت گہرا تھا۔ بعد میں سید احمد شہید بریلوی رح کے ذریعے اس سلسلہ کو وسعت ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سب سے پہلے نقشبندی سلسلے میں ہی اپنے پہلے پیر و مرشد حضرت نصیر الدین دہلوی سے بیعت ہوئے تھے اور خلافت پائی تھی۔

سلسلۂ سہروردیہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ آپ کی ولادت ۵۳۶ھ میں سہرورد میں ہوئی جو عراق عجم کے پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔ آپ نے اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبد القاہر بن عبد اللہ سے خلافت پائی تھی۔ ہندوستان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (المتوفی ۶۶۶ھ) کے ذریعے یہ سلسلہ پھیلا۔ شیخ حمید الدین ناگوری محمد بن عطاء البخاری (المتوفی ۶۶۴ھ) بھی آپکے خلیفہ ہیں۔ آپ ایک زبردست عالم تھے اور "عوارف المعارف" عربی زبان میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی بلند پایہ تصنیف ہے جو تصوف میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی اور مزار شریف بغداد میں ہے۔

حاجی صاحبؒ کے سلاسل اربعہ یہی ہیں اور چاروں سلسلوں میں آپکو اجازت ہے۔ پہلے حضرت نصیر الدین دہلویؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ کو خلافت عطا کی گئی اور ان کی وفات کے بعد میاں جیو نور محمد جھنجھانوی (المتوفی ۱۲۵۹ھ) رحمۃ اللہ علیہ سے چاروں سلسلوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں آپ کو اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ ہم نے اس مقالہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے شجرے نقل کئے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب اپنے نام کے آگے چشتی تحریر فرماتے تھے لیکن چشتیت کے ساتھ آپکے سلسلۂ امدادیہ میں نقشبندیت کا رنگ بھی بہت گہرا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ میں چشتیوں کا سوز و اضطراب، ذوق و شوق، عشق اور سرمستی و بے خودی بھی ہے اور ساتھ ہی سلسلۂ نقشبندیہ کا وقار، ضبط و خاموشی اور ذوق اتباع سنت بھی موجود ہے۔ یہی جامعیت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی شخصیت اور سیرت کا غالب عنصر ہے۔

باب پنجم۔ اذکار و اوراد، ارشاد و ہدایت کے ذرائع۔

اس باب میں ان اذکار و اوراد کا تذکرہ ہے جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے طریق ارشاد و ہدایت میں معمول تھے۔ جس طرح ایک حاذق طبیب جسمانی امراض کا علاج کرتے ہوئے مریض کے عوارض اور مزاج کا لحاظ کرتے ہوئے دوائیں اور پرہیز تجویز کرتا ہے، اسی طرح روحانی معالج یعنی مرشد اور شیخ طریقت بھی اپنے مرید کے روحانی امراض اور اسکی طبیعت کی مناسبت اور استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے ذکر و شغل تجویز کرتا ہے۔ مقصد ان اذکار اور اوراد کا یہی ہے کہ قلب کی صفائی ہو اور تزکیۂ باطن ہو کر مرتبۂ احسان تک رسائی ہو سکے۔ تعلق مع اللہ کے لئے اللہ کے ذکر کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن پاک میں بھی متعدد جگہ ذکر کی فضیلت بیان کر کے اللہ کے ذکر کی بندوں کو تلقین کی گئی ہے۔ صبح و شام، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ احادیث میں بھی ذکر کی فضیلت وارد ہے اور عام مسلمان بھی اس سے واقف ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ حضرات چشتیہ کے معمول ذکر بارہ تسبیحات پر زور دیتے تھے اس ذکر کی تفصیلات میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کے علاوہ درود شریف، استغفار وغیرہ پڑھنا بھی ہے۔ اس مقالہ میں اس ذکر کی ترکیب پوری نقل کی گئی ہے، اسکے علاوہ دوسرے اذکار و اشغال مثلاً نفی و اثبات (لا الٰہ الا اللہ) کے دوسرے طریقوں، طریق اسم ذات قلندری، ذکر جاروب، ذکر حدادی وغیرہ کا بیان بھی اس مقالہ میں موجود ہے۔ یہ سب حاجی

صاحب کے سلسلہ کے معمولات ہیں۔ حاجی صاحب نے اپنی تصانیف "ارشاد مرشد" اور "ضیاء القلوب" میں اپنے سلسلہ کے معمولات اور اذکار و اشغال تحریر فرمائے ہیں۔ ہم نے اپنے مقالہ میں تفرقہ یعنی حالت قبض دور کرنے کے حاجی صاحب کے طریقے کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالت قبض تصوف کی اصطلاح ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ذاکر کو بعض ایسے احوال سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے جس میں اسے فرحت و انبساط کی بجائے پریشانی، غم اور وحشت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسکا علاج بھی "ضیاء القلوب" میں تحریر ہے۔ مثلاً یہ کہ نفس کو اسکی مباح چیزوں کی خواہش میں خود مختار کردے اور اس وقت ریاضت چھوڑ دے جب تک طبیعت میں انشراح اور شوق پیدا ہوجائے۔ اسیطرح خطرات فاسدہ دفع کرنے کے ذکر کا بھی حاجی صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے لئے صحبت شیخ بہت ضروری ہے۔ شیخ کی توجہ باطنی اور تربیت کے بغیر راہ سلوک طے کرنا ممکن نہیں۔ یہ طریقت کی بنیادی شرط ہے۔ صحبت شیخ کے بغیر مرید کی گمراہی کا ڈر ہے کیونکہ شیطان راہزن ہے۔ شیخ رہبر بھی ہے اور محافظ و مربی بھی۔ لیکن شیخ کا صحیح العقیدہ اور پابند شریعت ہونا ضروری ہے، کیونکہ کتاب و سنت کے اتباع کا نام ہی ہدایت ہے، اسکے خلاف اگر کشف و کرامات بھی ہوں تو معتبر نہیں۔

باب ششم۔ تصانیف۔

اس باب میں حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نورانی تصانیف کا تذکرہ ہے۔ حاجی صاحب کی تصانیف ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ، عشق الٰہی کا منبع اور سلوک و معرفت کی تعلیمات کا عطر مجموعہ ہیں۔

حاجی امداد اللہ نے اسلامی علوم میں جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں اور جو اثرات مرتب فرمائے ہیں وہ آپ کی تصانیف سے ظاہر ہیں۔ حاجی صاحب رح نے سلوک و تصوف کے مسائل پر متعدد تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں مثنوی مولانا روم کے طرز پر مؤثر اور دلچسپ حکایات بھی ہیں اور سلوک و معرفت کی راہنما وہ کتابیں

بھی ہیں جن میں ذکر و شغل کے وہ تمام طریقے بھی تحریر ہیں جن کے ذریعہ سے مرشدین کاملین اپنے مسترشدین و مریدین کی رہنمائی و رہبری کر سکتے ہیں اور وابستگان سلسلہ ان کتابوں کے مطالعہ سے سلوک و طریقت کی منازل بخیر و عافیت طے کر کے تزکیۂ باطن کی دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ حاجی صاحب کی تصنیفات تصفیۂ قلب کرنے والی اور اللہ کی محبت دل میں اتارنے والی ہیں۔ ان میں معرفت الٰہی کا نور بھی ہے اور سوز دروں بھی۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی آٹھ تصنیفات، ایک مجموعۂ کلام، مثنوی مولٰنا رومؒ پر حاشیہ اور مکتوبات گرامی قلمی یادگاریں ہیں۔ "غذائے روح"، "جہاد اکبر"، "مثنوی تحفۃ العشاق"، "ضیاء القلوب"، "ارشاد مرشد"، "رسالہ وحدۃ الوجود"، "درد نامہ غمناک" اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" حاجی صاحب کی تالیفات کے نام ہیں۔ ان سب میں "ضیاء القلوب" کو حاجی صاحبؒ کی اہم ترین تصنیف مانا جاتا ہے۔ بقول حاجی صاحب "ضیاء القلوب پیر کامل ہے"۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور مکہ معظمہ میں ۱۲۸۲ھ میں حاجی صاحب نے تصنیف فرمائی تھی۔ اس میں حاجی صاحب نے اپنے سلسلے، خصوصاً خاندان عالیہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ میں رائج اذکار و اشغال اور مراقبات وغیرہ تحریر فرمائے ہیں۔ قادریہ سلسلہ اور نقشبندیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف، استخارہ کا طریقہ، تلاوت قرآن پاک اور نماز کی تفصیل اور صبح و شام کے متفرق اعمال کی تفصیل اور راہ سلوک کی رکاوٹوں اور ان کو دور کرنے کے طریقے بھی اس کتاب میں موجود ہیں۔ اخیر میں اخلاق حسنہ حاصل کرنے اور رذائل کو دور کرنے کے لئے حاجی صاحبؒ نے بیش قیمت نصیحتیں تحریر فرمائی ہیں۔ ضیاء القلوب کا اردو ترجمہ "تصفیۃ القلوب" حاجی صاحب کی اجازت سے ان کی حیات میں ہی ہو گیا تھا۔ پہلی طباعت اس ترجمہ کی ۱۹۱۰ء میں مطبع احمدی دہلی سے ہوئی۔ بعد ازاں متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ "غذائے روح"، "جہاد اکبر" اور "مثنوی تحفۃ العشاق" حاجی صاحب کی اردو میں منظوم تصانیف ہیں۔ اول الذکر دونوں میں اصلاح نفس کے لئے حکایات کے پیرائے میں شیطان کے وساوس، نفس کے مغالطے، جہالت کے نتائج سے آگاہ

کرتے ہوئے اخلاق حسنہ کی برتری گناہوں اور رذیل خصلتوں پر دکھائی گئی ہے۔ آخر الذکر مثنوی تحفتہ العشاق بھی اردو میں حاجی صاحب کی عشق الٰہی پر مبنی منظوم تصنیف ہے۔ اسمیں حاجی صاحبؒ نے حضرت سری سقطیؒ کی زبانی ایک کنیز حضرت تحفہ مغنیہ کا مشہور اور مؤثر قصہ نہایت درد انگیز انداز میں نظم فرمایا ہے۔

"درد نامہ غم ناک" بھی حاجی صاحب کا اردو میں منظوم رسالہ ہے، اسکا ہر شعر درد میں ڈوبا ہوا ہے اور عشق حقیقی کا ترجمان ہے۔ اس درد نامہ کے ذریعے حاجی صاحبؒ نے اپنے درد و غم کی سوغات تقسیم فرمائی ہے، ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

مرا ایک کھیل خلقت نے بنایا　　تماشے کو بھی تو میرے نہ آیا

"رسالۂ وحدۃ الوجود" حاجی صاحبؒ نے تصوف کے اس نہایت دقیق اور اختلافی مسئلہ کے بارے میں ۱۲۹۹ھ میں فارسی میں تحریر فرمایا تھا۔ ہم یہاں اسکی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ اسکے قائل اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نور اللہ مرقدہٗ اسکے مخالف ہیں اور رد فرماتے ہیں۔ حاجی صاحب نے بھی اس مسئلہ کے چھپانے کی حکمت اور فائدے بیان کئے ہیں کیونکہ بقول ان کے اس دقیق اور نازک مسئلہ نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اللہ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

"ارشاد مرشد" کو حضرت حاجی صاحبؒ کا تصنیف کردہ ایسا رسالہ کہنا بجا ہے جو راہ سلوک و تصوف کے نووارد دین کے لئے دستور العمل اور ابتدائی نصاب ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۹۳ھ میں تحریر فرمایا گیا اور اسم با مسمّٰی ہے۔ اس میں بھی اذکار و اوراد، مراقبات اور اشغال و وظائف تحریر ہیں۔ حاجی صاحب کی گراں قدر نصائح ہیں اور چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ سلاسل کے شجرے لکھے گئے ہیں۔

"فیصلہ ہفت مسئلہ" حضرت حاجی صاحب کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حاجی صاحب نے مولود شریف[1]، فاتحہ[2]، عرس و سماع[3]، نداء غیر اللہ[4]، جماعت ثانیہ[5]، امکان نظیر[6]، اور امکان کذب[7] جیسے اختلافی مسائل پر اپنا نقطۂ نظر ظاہر فرمایا ہے۔ حاجی صاحبؒ

نے اس رسالہ کے ذریعہ مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنے اور اختلاف دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور غلو سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حاجی صاحبؒ اپنے مسلک کے بارے میں جو فرماتے تھے وہ خود ان ہی کے الفاظ میں شمائم امدادیہ میں درج ہے۔ فرمایا "شاہ (عبدالعزیز) صاحبؒ بہت بڑے عارف تھے اور طریق توسط پر چلتے تھے، میرا مسلک بھی انہیں کے انداز پر ہے۔" اس رسالہ کے بارے میں مزید اظہار خیال مقالہ میں موجود ہے۔

حاجی صاحب کو مثنوی مولانا روم سے عشق تھا اور آپ نے مثنوی شریف پر حاشیہ تحریر فرمایا تھا اور نہایت تاکید سے اپنی زندگی میں ہی مولانا احمد حسن صاحب کی معرفت نہایت صحیح، عمدہ اور دیدہ زیب طباعت کرائی تھی۔ حاجی صاحب کی زندگی میں دو دفتر شائع ہو پائے، بعد میں تکمیل ہوئی۔ مثنوی شریف کے اشکالات اور مشکل اشعار کو حاجی صاحب نے حل فرمایا ہے اور مطلب و معانی بیان فرمائے ہیں۔ یہ آپ کی بڑی علمی خدمت ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ حاجی صاحب کا وہ منظوم کلام جو کسی تالیف میں نہیں ہے جمع کرکے "گلزار معرفت" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کو حضرت کے متوسل نیاز احمد صاحب نے جمع کیا۔ حاجی صاحب کا کچھ منظوم کلام "نالۂ امداد غریب" میں بھی موجود ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ اردو اور فارسی میں حضرت کے خطوط بھی موجود ہیں جو شائع بھی ہو چکے ہیں اور بڑا حصہ ان کا "امداد المشتاق" حصہ دوم میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے شائع فرمایا ہے، اسکے علاوہ بھی شائع ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنے مقالہ میں مضمون کی مناسبت سے جابجا حضرت کے مکاتیب نقل فرمائے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی طرح آپ کے مکاتیب بھی ارشاد و ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

باب ہفتم۔ دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور اسکی اہمیت۔

اس باب میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور اسکی اہمیت کے بیان کے ساتھ ساتھ حضرت حاجی امداد اللہ کا اس ادارہ سے تعلق اور آپ کے خلفاء خصوصاً حاجی عابد حسینؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

دارالعلوم دیوبند حاجی امداد اللہ کے اثرات میں سب سے نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔
اسے ہندوستان میں امّ المدارس کہنا بجا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جہاد میں حصہ لینے کے بعد
جب حاجی صاحب مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو آپ نے ہندوستان میں اسلام کے بقا اور تحفظ
کے لئے مدرسہ کے قیام کی طرف توجہ کی اور بقول حاجی صاحب "بنائے مدارس فقیر نے آغاز کی ہے"
مدرسہ دیوبند کے بانی سب حاجی صاحب کے خواص ہیں جن میں حاجی محمد عابد دیوبندی رحمۃ اللہ
علیہ (۱۲۵۰ھ - ۱۳۳۱ھ) اور مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ - ۱۲۹۷ھ) کا نام
سرفہرست ہے۔ اس مدرسہ کی ابتدا دیوبند کی ایک قدیم مسجد میں ہوئی جس کا نام مسجد
چھتہ ہے۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو اس مدرسہ کا آغاز ہوا، ایک طالبعلم اور ایک ہی
معلم شروع میں تھے۔ بعد میں جو برکت ہوئی اور جو فیض جاری ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔
قرآن و حدیث کے علوم کی اشاعت کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہندوستان میں بنا اور اس
کے قیام کے بعد مدارس دینی کا سلسلہ برصغیر میں قائم ہوا۔

اس ضمن میں حاجی سید محمد عابد دیوبندی کا تذکرہ اسی باب میں علیحدہ
کیا گیا ہے کیونکہ مدرسہ دیوبند کے قیام میں سبقت تاریخی حقائق کی روشنی میں آپکو حاصل ہے۔
آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے شرف بیعت و خلافت حاصل ہے۔ اور آپ مدرسہ
دیوبند اور جامع مسجد دیوبند کی تعمیر اور قیام کے لئے مامور من اللہ تھے۔

باب ہشتم۔ خلفاء اور ان کی خدمات۔

اس باب میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء اور ان کی خدمات
کا تذکرہ ہے۔

اللہ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کی ذات بابرکات کو صحیح معنوں
میں سید الطائفہ اور شیخ العرب و العجم بنایا تھا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
آپ کو بشارت دی تھی کہ علماء آپ کے مہمان ہیں چنانچہ علماء کی جتنی بڑی تعداد آپ کے دست
حق پرست پر بیعت ہوئی، اور وہ بھی جید اور متبحر علماء کی، اسکی مثال اس اخیر دور میں نایاب ہے۔

حاجی صاحب کے خلفاء نے دینی تعلیم کو فروغ دینے کے علاوہ رشد و ہدایت کی خدمات بھی انجام دیں اور ملک کی آزادی اور ملت کی شیرازہ بندی کیلئے زبردست کام انجام دیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ شیخ الہند مولینا محمود حسن اور مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی آپکے خلفاء اور مستفیدین میں شامل ہیں۔ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس کاندھلوی (المتوفی ۱۳۶۳ھ) بھی آپ ہی کے خلیفہ مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ غرض حاجی صاحب کی تعلیمات، تصنیفات اور ان کے خلفاء و مستفیدین کے ذریعے علم و عمل کی وہ شمعیں روشن ہوئیں جنکی روشنی پورے عالم میں پھیلی۔ اس باب میں حضرتؒ کے خلفاء کے نام درج کرنے کے ساتھ ساتھ مخصوص خلفاء کے حالات اور انکی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ)، مولینا رشید احمد گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ)، مولانا اشرف علی تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) کے حالات اور خدمات جلیلہ کا تذکرہ مقالہ میں کیا گیا ہے۔ حاجی امداد اللہ سے تربیت یافتہ یہ علماء جامع شریعت اور طریقت تھے اور انکی خدمات و اثرات کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔

باب نہم۔ تذکرہ میاں بخیو نور محمد صاحبؒ

اس آخری باب میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پیر و مرشد میاں بخیو نور محمد جھنجھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر ہے۔ میاں بخیو نور محمدؒ کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہیں۔ ارواح ثلاثہ اور تذکرۃ الرشید میں تحریر مختصر واقعات زیادہ تر حضرت کی کرامات سے متعلق ہیں۔ اب جناب نسیم احمد جھنجھانوی نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نور محمدیہ جھنجھانہ کی طرف سے مختصر سوانحعمری میاں بخیو رحمۃ اللہ علیہ کی شائع کی ہے۔ میاں بخیو کی ولادت ۱۲۰۱ھ میں قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی، وہیں آپکا مزار ہے۔ والد ماجد کا نام جمال محمد تھا۔ نسب کے اعتبار سے آپ علوی تھے۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے کسب فیض کیا اور خلافت حاصل کی۔ قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر اور حدیث شریف وغیرہ آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادرؒ سے پڑھی۔ آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد قصبہ لوہاری میں بچوں کو قرآن پاک اور فارسی کی تعلیم دینے کیلئے ملازمت کرلی۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اول خلافت

پائی تھی ۔ بعد میں شاہ عبدالرحیم ولایتی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی ۔ شاہ عبدالرحیم سہارنپور کی مسجد لونی کے حجرے میں رہتے تھے اور وہیں حضرت سید احمد شہید بریلوی آپ سے ملاقات کو آئے تھے ۔ میاں بجیو نور محمد صاحبؒ کو سید احمد شہیدؒ نے بھی سلسلہ نقشبندی میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے بحالت خواب یہ دیکھا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی صاحب کا ہاتھ میاں بجیو نور محمدؒ کے ہاتھ میں دے دیا ہے، بعد میں حاجی صاحبؒ میاں بجیوؒ صاحب سے بیعت ہوئے ۔ میاں بجیو نور محمدؒ کی وفات ۱۲۵۹ھ میں ہوئی ۔

اس مبارک اور نورانی تذکرہ پر یہ مقالہ ختم ہوتا ہے ۔ بعد میں حواشی تحریر کئے گئے ہیں اور آخر میں مآخذ و مراجع کی فہرست میں کتب و رسائل وغیرہ کے نام درج ہیں ۔

1019
30/6/86

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH
Dated 28.6.86

This is to certify that the research work described in this thesis entitled "Islami Uloom mey Haji Imdad Ullah Ki Khidmaat wa Asaraat" اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات is original and was carried out by Mr. Baseer Ahmad Khan under my supervision.

Zainus Sajidin Siddiqi
(Dr. Zainus Sajidin Siddiqi)
Lecturer.
(SUPERVISOR)

اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات

مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی۔

پیشکردہ: بصیر احمد خاں

ایم۔ اے؛ ایم۔ ٹی۔ ایچ؛ ایم۔ فل؛

نگراں۔ ڈاکٹر قاضی زین السّاجدین صدیقی

ایم۔ اے؛ ایم۔ ٹی۔ ایچ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

(لکچرر)

شعبہ سُنی دینیات تھیالوجی فیکلٹی

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی

فہرست

صفحہ 3 — مقدمہ۔

7 — باب اول۔ مختصر سوانح حیات: ابتدائی زندگی۔
ولادت۔ نسب۔ تکمیل سلوک و تعلیم۔ پہلا حج۔ قیام تھانہ بھون

17 — باب دوم۔ جہاد ۱۸۵۷ء

23 — باب سوم۔ ہجرت کے بعد کے واقعات۔
روپوشی و ہجرت۔ مکہ معظمہ میں قیام۔ بنائے مدارس۔ نکاح۔ وفات۔

33 — باب چہارم۔ تصوف اور اس کے سلاسل۔
تصوف کی حقیقت و اہمیت۔ سلسلہ قادریہ۔ نقشبندیہ۔ چشتیہ و سہروردیہ۔ حاجی صاحب کے سلاسل اربعہ اور شجرے۔

56 — باب پنجم۔ اذکار و اوراد: ارشاد و ہدایت کے ذرائع۔
طریقۂ ذکر بارہ تسبیحات، طریق دیگر نفی و اثبات۔ طریق اسم ذات قلندری۔
ذکر جاروب۔ ذکر حدادی۔ تنزہ۔ ذکر برائے دفع خطرات فاسدہ۔
صحبت شیخ۔

68 — باب ششم۔ تصانیف: ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ۔
ضیاء القلوب۔ غذائے روح۔ جہاد اکبر۔ مثنوی تحفۃ العشاق۔
درد نامہ غم ناک۔ رسالہ وحدۃ الوجود۔ ارشاد مرشد۔ فیصلہ ہفت مسئلہ۔ حاشیہ مثنوی مولینا رومؒ۔ گلزار معرفت۔ نالہ امداد غریب۔

86 — باب ہفتم۔ دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور اسکی اہمیت۔
حاجی صاحب اور انکے خلفاء کا دارالعلوم سے تعلق۔ تذکرہ حاجی سید محمد عابدؒ

117 — باب ہشتم۔ حاجی امداد اللہ کے خلفاء اور ان کی خدمات و اثرات۔
خلفاء و خصوصی مستفیدین۔ مولانا قاسم نانوتویؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولینا اشرف علی تھانویؒ۔ مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ۔ مولانا محمود حسنؒ

151 — باب نہم۔ تذکرہ میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ

152 — حواشی۔

168 — کتب و رسائل۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

زیر نظر مقالہ "اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات" شعبۂ سُنّی دینیات علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری کیلئے پیش کیا جا رہا ہے۔

سید الطائفہ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ ایک ایسے عظیم المرتبت و صاحب نسبت بزرگ گذرے ہیں جن کے فیض تربیت اور رشد و ہدایت سے ایسے جلیل القدر اور مشاہیر علماء تیار ہوئے جو عالم بھی تھے اور شیخ طریقت بھی۔ ہندوستان کی تاریخ میں بہت کم ایسے صوفی ہوئے ہیں جن سے مستفید علماء کی اتنی بڑی تعداد ہو۔ یہ میرے لئے سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ مجھے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور ان کے خلفاء و مستفیدین کے حالات پڑھنے اور ان کے متعلق لکھنے کا موقع ملا۔

چونکہ میری تحقیق کا موضوع حاجی امداد اللہ کی علمی خدمات اور اثرات سے متعلق ہے لہٰذا تصوف کا تذکرہ ضروری ہے۔ قرآن میں جسے تزکیہ اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہا گیا ہے عرف عام میں تصوف اسے ہی کہا جاتا ہے۔ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن تصوف کا مقصد ہے۔ طریقت کا مقصد بھی یہی ہے کہ طبیعت شریعت کے تابع ہو جائے۔ اس مقالہ میں تصوف کی تعریف اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور خصوصاً سلاسل اربعہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کا مختصر ذکر کر کے حاجی صاحب کے چاروں سلاسل میں شجرے درج کئے گئے ہیں۔

ظاہر ہے حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زندگی کے حالات کا بیان بھی ضروری تھا چنانچہ پہلے باب میں آپ کی مختصر سوانح حیات دی گئی ہے اس میں آپ کی ابتدائی زندگی کے حالات مثلاً ولادت، نسب، وطن،

تعلیم، تکمیل سلوک، پہلا سفر حج و زیارت مدینہ طیبہ اور قیام تھانہ بھون کا تذکرہ ہے۔ دوسرے باب میں ۱۸۵۷ء کے جہاد اور معرکۂ شاملی کے واقعات تحریر کئے ہیں۔ تیسرے باب میں حاجی صاحب کی روپوشی، ہجرت، مکہ معظمہ میں قیام، بنائے مدارس دین کی فکر، دیگر خدمات، نکاح اور وفات کی تفصیلات ہیں۔ چوتھے باب میں تصوف اور سلاسل اربعہ کا بیان ہے۔ پانچویں باب میں حاجی صاحب کے طریقۂ ارشاد و ہدایت اور مختلف اذکار و اوراد کا جائزہ ہے جو حاجی صاحب کے سلسلہ میں رائج تھے۔ اس میں ذکر کے مختلف طریقوں، صحبت شیخ کی اہمیت کے بیان کے ساتھ ساتھ سلسلۂ امدادیہ کی تفصیلات بھی درج ہیں۔

ہمارے اس تحقیقی مقالہ میں حاجی صاحب کی تصانیف اور آپ کے شاعرانہ کلام کا خصوصی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ حاجی صاحب کی تصانیف اور آپ کی تحریر کردہ مثنویاں ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ ایک باب ان کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ تصوف کی مشہور اور مؤثر کتاب ضیاء القلوب کے مضامین پر بامعنی بحث کی گئی ہے اسی طرح دوسری تصانیف غذائے روح، جہاد اکبر، مثنوی تحفۃ العشاق، دردنامہ غمناک، رسالہ وحدۃ الوجود، ارشاد مرشد، فیصلہ ہفت مسئلہ، حاشیہ مثنوی مولانا رومؒ، گلزار معرفت اور نالۂ امداد غریب کے مضامین کی قدر و قیمت کا اندازہ انشاء اللہ ہمارے اس مقالہ سے ہوگا۔

اخیر مقالہ میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے تاریخی پس منظر کو بیان کرکے مدرسہ دیوبند کے قیام کی ضرورت اور اسکی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے خلفاء کا یہ وہ شاندار دینی و علمی کارنامہ ہے جس نے ان حضرات کا نام زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ حاجی صاحب کی خدمات و اثرات کا اس سے زیادہ روشن ثبوت اور کوئی نہیں ہے۔ مقالہ کا اختتام حضرت حاجی

صاحب کے خلفاء اور مستفیدین کے ذکر پر کیا گیا ہے۔ جن حضرات کا ذکر اس مقالہ کے موضوع کے اعتبار سے ضروری تھا ان کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں اور حاجی امداد اللہ صاحب سے ان کے تعلق تربیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حاجی سید محمد عابدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسینؒ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان حضرات کے جو ہمہ گیر اثرات امت کی اجتماعی زندگی پر پڑے ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

میرے لئے یہ تحقیقی مقالہ تحریر کرنا آسان کام نہیں تھا لیکن میں احسان مند ہوں جناب پروفیسر ڈاکٹر قاری رضوان اللہ صاحب مرحوم سابق صدر شعبہ سنی دینیات کا کہ انہوں نے میری ہمت افزائی فرمائی اور مقالہ کی تیاری کے ابتدائی مراحل میں میری رہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے آمین!

قاری رضوان اللہ صاحب کے انتقال کے بعد میرے سپروائزر جناب ڈاکٹر قاضی زین الساجدین صدیقی مقرر ہوئے۔ چونکہ آپ خود دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں اور یونیورسٹی کی ریسرچ کا بھی آپ کو تجربہ ہے اور خود بھی پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ہیں لہذا ان کی علمی رہنمائی سے مجھے اس مقالہ کی خامیوں کو دور کرنے اور اسے بہتر بنانے میں بہت مدد ملی۔ چونکہ آپ کے والد ماجد جناب قاضی زین العابدین صدیقی قاضی شہر میرٹھ، دارالعلوم کے اکابرین میں سے ہیں اور بلند پایہ مصنف ہیں لہذا ڈاکٹر زین الساجدین صاحب کو دیوبند کی تاریخ اور علماء دیوبند کے حالات پر کافی عبور ہے۔ میں ان کا شکر گذار ہوں کہ ان کی زیر نگرانی اس مقالہ کی تکمیل ہوئی۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر میں جناب پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری سابق صدر شعبہ سنی دینیات، جناب مولانا تقی امینی سابق صدر شعبۂ سنی دینیات و پروفیسر و سابق ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، جناب ڈاکٹر عبدالعلیم ریڈر شعبۂ سنی دینیات و محترمہ ڈاکٹر رؤفہ اقبال صدر شعبہ سنی دینیات کا شکریہ ادا نہ کروں۔ ان سب کی ہمت افزائی کے بغیر یہ کام مکمل ہونا دشوار تھا۔

میرے لئے یہ بات موجب افتخار ہے کہ اس مقالہ کے سلسلہ میں میرے پیر و مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ نے مجھے دعاؤں سے نوازا تھا اور نہایت کارآمد مشورہ بھی دیا تھا۔

حضرت شیخ رح کے ارشاد کے بموجب میں کاندھلہ گیا اور مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کے ڈائرکٹر مولانا نور الحسن راشد صاحب ملا۔ اس مقالہ کی تیاری میں ان کے کتب خانہ سے بہت مدد لی گئی ہے۔ راشد صاحب سے مجھے گرانقدر مدد اس سلسلہ میں ملی۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

مجھے امید ہے اس تحقیقی مقالہ سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے بلند مقام اور ان کی خدمات و اثرات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اللہ اس مقالہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

میرٹھ - ۲۸ر جون سنہ ۱۹۸۶ء

بصیر احمد خاں۔

باب اول۔

مختصر سوانح حیات: ابتدائی زندگی۔

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، مغربی یوپی کا مشہور قصبہ ہے، جو علماء کا مسکن، مشائخ کا مرکز اور شعر و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں قدیم زمانہ سے مشائخ و صوفیاء، علماء اور مصنفین، شعراء اور ادیب و انشاء پرداز پیدا ہوتے رہے ہیں اور اپنے علم و فضل اور وسیع و عمیق تجربات سے امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ دریافت معلومات کی روشنی میں اس بستی کے سب سے پہلے مسلمان عارف و بزرگ شیخ شمس الدین صدیقی معروف بہ شاہ ولایت ہیں[1]۔ انہیں حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مرید و خلیفہ[2] بتایا جاتا ہے۔

بعد میں سب سے زیادہ عزت و شہرت ایک فاروقی خاندان کو حاصل ہوئی جس میں صدیوں تک متواتر بلند پایہ علماء، صوفیاء، شعراء، اہل قلم ارباب کمال اور اصحاب علم و فن ظاہر ہوتے رہے۔ اس خاندان کے ممتاز ترین افراد میں قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ مولف کشاف اصطلاحات الفنون[3]، حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ[4] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ[5]، حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی و مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ[6] شہرۂ آفاق ہیں۔

ولادت و سلسلہ نسب حضرت حاجی امداد اللہ

اس مبارک خانوادہ میں جو علم و عمل کا منبع اور اپنے اسلاف کی روایات کا وارث و امین تھا، ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ بروز دوشنبہ حضرت حاجی امداد اللہ کی ولادت باسعادت ہوئی[7]۔ حضرت والا کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

حضرت حاجی امداد اللہ بن حافظ محمد امین بن حافظ شیخ بڈھا بن حضرت حافظ شیخ بلاقی بن حضرت شیخ عبداللہ بن حضرت شیخ محمد بن حضرت شیخ عبدالکریم بن حضرت شیخ عبدالرحیم بن حضرت شیخ سراج الدین بن حضرت قاضی چندن بن حضرت قاضی محمد موسیٰ

بن حضرت قاضی محمد نصر اللہ خاں بن حضرت قاضی محمد یعقوب خاں
بن حضرت شیخ نظام الدین بن حضرت شیخ شہاب الدین معروف
بفرخ شاہ کابلی بن محمد شاہ کابلی بن حضرت نصیر الدین شاہ بن
حضرت محمود شاہ بن حضرت سلیمان شاہ بن حضرت مسعود
شاہ بن حضرت شاہ عبد اللہ واعظ اصغر بن حضرت شاہ
عبد اللہ واعظ اکبر بن حضرت شاہ ابو الفتح بن حضرت شاہ
محمد اسحٰق بن حضرت کامل عارف شاہ سلطان محمود بن
حضرت سلطان ابراہیم بن حضرت ادہم قلندر بن حضرت
سلیمان رح [8]

یہ خاندان حضرت عمرؓ بن الخطاب سے منسلک ہے۔ اسکی بعض شاخوں میں کچھ اختلافات ہیں اور اس کے بعض مندرجات بھی محتاج تحقیق ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے ان اختلافات کی طرف کچھ اشارات کئے ہیں۔ امداد المشتاق[9] میں یہ تذکرہ موجود ہے۔

حضرت حاجی صاحب اپنے والد کی تیسری اولاد تھے۔ حضرت سے بڑے بھائی جناب ذوالفقار علی اور منجھلے فدا حسین تھے۔ ان سے چھوٹے حضرت حاجی امداد اللہ تھے۔ حضرت حاجی صاحب سے چھوٹے ایک بھائی اور تھے۔ ان کا نام بہادر علی تھا۔ اور ایک ہمشیرہ وزیر النساء تھیں جو ان کی والدہ کی آخری اولاد تھیں۔ اس طرح حاجی صاحب پانچ بہن بھائی تھے۔[10]

ابھی حضرت حاجی صاحب کی عمر صرف سات سال کی تھی کہ حاجی صاحب کی والدہ محترمہ بی بی حسینی بنت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے تقریباً ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی۔[11] والدہ ماجدہ نے وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ میرے اس بچے یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کو کوئی شخص کسی وقت بھی مارے پیٹے نہیں اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کرے۔[12] بی بی حسینی صاحبہ کے انتقال کے

بعد اس وصیت پر عمل کا اس قدر اہتمام ہوا کہ اس کی وجہ سے حاجی صاحب کی تعلیم کی طرف بھی خاطر خواہ توجہ نہیں ہوئی۔ مگر اس کے باوجود فضل الٰہی رہنما رہا اور سلیم طبیعت ہمیشہ ناپسندیدہ کاموں سے دور رہی اور بغیر کسی بڑے کی توجہ اور رہنمائی کے اپنے شوق سے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ مگر کسی بڑے کی سرپرستی اور دستگیری نہ ہونے کی وجہ سے مختلف حافظوں کو اپنا استاد بنایا۔ لیکن دلی شوق اور خواہش کے باوجود اس وقت پورا قرآن پاک حفظ نہیں ہو سکا۔ اس سعادت کی تکمیل نزول قرآن کے منبع و مرکز مکہ معظمہ میں ہوئی اور قرآن حفظ کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی[۱۳]

ظاہری تعلیم

بچپن میں قرآن پاک کا کچھ حصہ حفظ فرمانے کے علاوہ اسی زمانے میں وطن کے قیام کے دوران فارسی اور عقاید و دینیات کی ابتدائی ضروری کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جسمیں تکمیل الایمان مولانا رحمت علی تھانوی[۱۴] سے، حصن حصین مولانا عبدالرحیم نانوتوی[۱۵] رح سے، مشکوٰۃ المصابیح مولانا سید محمد قلندر جلال آبادی[۱۶] رح سے اور مثنوی مولانا روم رح مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی[۱۷] رح اور مولانا ابوالحسن کاندھلوی[۱۸] رح سے پڑھی۔

سولہ سال کی عمر میں تقریباً ۱۲۴۹ھ/۳۴-۱۸۳۳ء میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رح کے ہمراہ دلی کا سفر ہوا[۱۹]۔ دہلی میں بھی فارسی کی چند کتابیں پڑھیں۔ مولانا مملوک علی نے حضرت حاجی صاحب کا گلستان کا سبق مولینا احمد علی محدث سہارنپوری رح کے سپرد فرمایا تھا[۲۰]۔ ایک باب اور مقدمہ گلستان شیخ سعدی شیرازی رح ایک باب بوستان کا اور کچھ حصہ زلیخا کا پڑھا۔ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے:

"بھائی ہم نے ایک باب اور دیباچہ گلستان کا اور ایک باب بوستان کا اور کچھ مفید نامہ اور کچھ دستور المبتدی اور چند ورق زلیخا کے پڑھے تھے اور

حصن حصین مولوی قلندر صاحب سے پڑھی۔"[21]

اس مبہم سے تذکرہ کے علاوہ حضرت حاجی صاحب کی تعلیمی زندگی کی نسبت کچھ زیادہ معلومات نہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک ملفوظ میں ہے کہ حاجی صاحب نے کافیہ تک پڑھا تھا۔[22] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی کافیہ تک تعلیم باقاعدہ ترتیب سے ہوئی ہے۔ آج کل شرح فقہ اکبر اور مشکوٰۃ شریف کافیہ کے بعد ہی پڑھائی جاتی ہے، اور غالباً اس وقت بھی درس کی ترتیب یہی رہی ہوگی۔

اس تعلیم کے ساتھ ہی کانِ معرفت مثنوی مولانا رومؒ کی طرف التفات ہوا اور گویا اس کو حرزِ جان بنالیا، اور اس وقت کے مثنوی مولانا روم کے مشہور ترین استاذ مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی سے تین مرتبہ مثنوی شریف پڑھی اور مثنوی کے بعض مقامات کی تحقیق مولانا شیخ ابوالحسن کاندھلوی[24] سے کی۔ پھر تو مثنوی شریف کو ایک ورد اور معمول کے طریقہ پر مستقل مطالعہ میں رکھتے تھے، اور مثنوی کے اندر جو لیقین و معرفت کی آگ اور عشق و محبت کی چنگاری فروزاں ہے اس سے اپنے باطن کو روشن اور مولانا روم کے سوزِ دروں سے اپنے دل کو آتش فشاں بناتے رہے۔

ظاہری تعلیم زیادہ نہ ہونے کے باوجود بقول حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اللہ نے حضرت حاجی صاحب کی ذات کو نہ صرف عالم بلکہ عالم گر بنایا تھا۔ خود حضرت حاجی صاحب نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر یہ بیان فرمائی تھی کہ مرتبہ نزدیکی کا مجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھنا جبرئیل کا بشارت اس امر کی ہے کہ بفضلہ سبحانہ حصۂ وافر علم و تعلیم و ارشاد و ہدایت سے مجھکو مرحمت ہوگا کہ یہ خدمت ان کو تفویض ہے! حضرت حاجی صاحب کا یہ مبارک خواب مؤلف شمائم امدادیہ نے نقل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خواب کی اس تعبیر کی برکت سے ارشاد و ہدایت کا جو نور حضرت حاجی صاحب کی ذات بابرکات سے پھیلایا اس کی کرنیں آج بھی دنیا کو روشن و منور کر رہی ہیں اور انشاءاللہ یہ فیضِ ہدایت جاری و ساری رہے گا۔

حصول معرفت وطریقت اور تکمیل سلوک

مثنوی مولانا رومؒ کے مطالعہ سے عشق الٰہی کا جو شعلہ روشن ہوا تھا اس نے کسی ایسے عارف کی طلب میں قدم بڑھائے جو اس سوزِ درون کو مستقل دردِ دل بنا دے اور ذوق معرفت کو لقاءِ حبیب کی منزل تک رسائی کرا دے۔ حضرت حاجی امداد اللہ کی نگہ انتخاب حضرت مولانا شیخ نصیر الدین نقشبندیؒ دہلوی پر گئی جو اپنے زمانہ کے عارف کامل اور متبع سنت مرشد تھے۔ مولانا نصیر الدین سے بیعت ہو کر سلسلۂ مجددیہ کے طریق پر اذکار و اشغال میں مصروف ہوئے اور جلد ہی اجازت و خرقہ سے مشرف ہوئے۔[25]

حضرت شاہ نصیر الدینؒ کی وفات[26] ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء کے بعد سے حضرت حاجی صاحب کی طبیعت بے چین اور جذب چشتیہ زوروں پر تھا۔ اسی دوران خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مجلس عالیہ میں حاجی صاحبؒ کے جد امجد حافظ بلاقی شاہ بھی حاضر تھے۔ انہوں نے حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر سرکار رسالت مآب صلعم کی خدمت میں حاضر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاجی صاحب کو میاں بخیو نور محمد جھنجھانوی چشتی نور اللہ مرقدہٗ کے سپرد فرما دیا۔ اس خواب کی بابرکت تفصیل حضرت حاجی صاحب نے اس طرح بیان فرمائی:۔

"خواب دیکھا کہ مجلس اعلیٰ و اقدس حضرت سرور عالم مرشد اتم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ وسلم میں حاضر ہوں۔ غایت رعب سے قدم آگے نہیں بڑھتا ہے کہ ناگاہ میرے جد امجد حضرت حافظ بلاقی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ لے کر حوالہ حضرت میاں بخیو صاحب چشتی قدس سرہ کے کر دیا، اور اس وقت تک بعالم ظاہر حضرت میاں بخیو صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی طرح کا تعارف نہ تھا۔"

حضرت حاجی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا عجیب انتشار و حیرت میں مبتلا ہوا کہ یا رب یہ کون بزرگوار ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ

ان کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو ان کے سپرد فرمایا۔[۲۷]
اس روحانی مرشد نے آتش شوق کو فروزاں کردیا تھا، مگر پریشانی یہ تھی کہ حضرت میاں بخیو صاحب قدس سرہ سے اس وقت تک کوئی ظاہری تعارف نہیں تھا اسلئے حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کون بزرگ ہیں کہاں رہتے ہیں اور ان تک رسائی اور ان سے ملاقات کی کیا صورت ہو۔
جب کچھ دن اسی فکر و تردد میں گذر گئے تو حاجی صاحب کے مشفق استاذ حضرت مولانا محمد قلندرؒ نے ان کی حیرانی اور پریشانی دور کرنے کے لئے فرمایا:

"تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے، وہاں جاؤ اور حضرت میاں بخیو صاحب سے ملاقات کرو۔ شاید مقصود دلی کو پہنچو اور اس حیث و بحث سے نجات پاؤ۔"[۲۸]

مولانا قلندر کی اس رہبری فرمانے سے گوہر مقصود قریب ہوتا نظر آیا اور حاجی صاحب نے فوراً ہی بلا کسی سواری کے لوہاری کا ارادہ کرلیا اور چل کھڑے ہوئے۔ عشق و وارفتگی کی کیفیت سے سرشار، منزل کا شوق دل میں سمائے، طلب صادق کے سہارے راستہ کی صعوبتوں سے بے پرواہ ؎

در رہ منزل لیلیٰ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جب لوہاری پہنچکر میاں بخیو نور محمد کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ بعینہ وہی بزرگ موجود ہیں جنکی بشارت خواب میں ہوئی تھی۔ بے اختیار حضرت میاں بخیو صاحب کے قدموں میں گر گئے۔ حضرت میاں بخیو صاحب نے اٹھا کر سینۂ مبارک سے لگایا اور ارشاد فرمایا "تم کو اپنے خواب پر پورا یقین ہے"۔[۲۹] حضرت حاجی صاحب کے اقرار کے بعد حضرت میاں بخیو صاحب قدس سرہ نے بیعت سے مشرف فرمایا۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۲۵۸ھ کے آخر کا ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ۱۲۵۶ھ تک حضرت حاجی صاحب کے پہلے شیخ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندیؒ حیات تھے، لہذا ان کی زندگی میں کسی دوسرے شیخ سے بیعت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور کئی برس حضرت میاں بخیوؒ

کی تلاش وجستجو میں حیران و پریشان رہے[۳۰]۔ اور رمضان ۱۲۵۹ھ میں میا بخیوؒ کا وصال ہو جاتا ہے۔ میا بخیوؒ نے وصال سے قبل حضرت حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا:

"میرا ارادہ تھا تم سے مجاہدہ وریاضت لوں گا، مشیت باری سے چارہ نہیں ہے، عمر نے وفا نہ کی"

میا بخیو نور محمد نور اللہ مرقدہ کا یہ ارشاد گرامی اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں چند ماہ ہی رہے ہونگے کہ میا بخیوؒ کا انتقال ہو گیا[۳۱]۔ لیکن حضرت حاجی صاحب نے میا بخیوؒ کی رفاقت کے وقت کو پورا پورا حاصل کیا اور میا بخیوؒ کی خدمت بابرکت میں مستقل قیام فرما کر نور محمدی کا فیضان حاصل کیا اور راہ سلوک و معرفت کی تکمیل فرمائی۔

حضرت میا بخیو نور محمد نور اللہ مرقدہ نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرما کر ان سے دریافت فرمایا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟ مگر حضرت حاجی صاحب کے دل میں نور محمدی کا پرتو اثر کر چکا تھا۔ لہذا مرشد کی خدمت میں عرض فرمایا:

"دنیا کے واسطے آپ کا دامن نہیں پکڑا ہے۔ خدا کو چاہتا ہوں، وہی مجھ کو بس ہے۔"[۳۲]

میا بخیو صاحب حاجی صاحب کے اس جواب سے بہت مسرور ہوئے۔ دعاؤں سے نوازا اور بغل گیر فرما کر بلند ہمتی کی داد دی۔

میا بخیو نور محمد قدس سرہٗ اور حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہ کی فضیلت وسعادت کے لئے یہ بات ہی کافی ہے کہ مرشد و مرید کا یہ روحانی رشتہ عالم رویا میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قایم فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بشارت کی صداقت ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سلسلۂ امدادیہ نور محمدیہ سے ارشاد وہدایت کا جو چشمہ جاری ہوا ہے وہ آج بھی دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔

پہلا سفر حج و زیارت مدینہ طیبہ

حاجی امداد اللہؒ نے پہلا سفر حج ۱۲۶۱ھ میں فرمایا۔ اپنے اس سفر سے پہلے حاجی صاحب نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت فرمائی۔ حضور نے ارشاد فرمایا "ہمارے پاس آؤ"۔ یہ خواب دیکھ کر آتش شوق دل میں بھڑک اٹھی اور زیارت مدینہ منورہ کا داعیہ پیدا ہوا۔ ارشاد نبوی کی تعمیل میں خرچ کی پرواہ کئے بغیر اللہ پر توکل کر کے سفر حجاز پاک کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب گھر سے روانہ ہو کر ایک گاؤں میں پہنچے تو حاجی صاحب کے بھائیوں نے کچھ سفر خرچ روانہ کیا۔ بھائیوں کے اس عطیہ کو حاجی صاحب نے قبول فرما لیا اور سفر جاری رکھا۔ ۵ ذی الحجہ کو بندر لیس پر جو جدہ کے قریب ایک بندرگاہ تھی، اترے۔ حج کی سعادت[۳۳] حاصل کی اور اسکے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ فیوض الحرمین جو اللہ نے سعید ازلی کے لئے مقدر فرمائے تھے ان سے خوب دامن مراد بھرا۔

دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آپ کو خلعت فاخرہ عطا فرمایا گیا۔ مؤلف شمائم امدادیہ حاجی صاحب کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ جب آپ نے منبر اور روضہ شریفہ کے درمیان کہ "روضۃ من ریاض الجنۃ" اسکی شان ہے مراقبہ فرمایا:

> "معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مقدس خود سے بصورت حضرت میاں جیو صاحب قدس سرہ نکلے اور عمامہ لپٹا و تراپنے دست مبارک میں لئے ہوئے تھے۔ میرے سر پر نہایت شفقت سے رکھدیا اور کچھ نہ فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔"

دربار محمدیؐ سے سوغات عطا ہو چکی اور اجازت واپسی وطن کا اشارہ ہو گیا تو آپ دوبارہ بیت اللہ کے طواف کی سعادت کیلئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور چند دن وہاں قیام فرما کر وطن واپس تشریف لے آئے۔

اسی دوران حرمین شریفین کے ممتاز علماء و مشائخ سے آپ نے استفادہ اور کسب فیض کیا۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق مہاجر مکی رح کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے۔ سنہ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء میں وطن واپس تشریف لائے۔ اللہ کو ابھی حاجی صاحب سے ہندوستان میں بہت کام لینا تھا۔ اور اسلام کی خدمت کے لئے علم و عمل، ایمان و احسان اور ایثار و جہاد کی وہ شمعیں روشن کرانی تھیں جن سے ارشاد و ہدایت اور فلاح و خیر کی روشنی مشرق و مغرب میں پھیلانی اللہ کی مرضی تھی اور یہ سعادت حاجی صاحب اور جماعت امدادیہ کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔

حیات امداد میں سفر حج سنہ ۱۲۶۱ھ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر ہے کہ "پہلے حج سے متاثر ہو کر مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رح نے چند اشعار لکھے ہیں جو ان کی مثنوی میں موجود ہیں۔"[۳۴] مگر مؤلف حیات امداد کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ مثنوی مولانا روم سنہ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں تالیف ہوئی،[۳۵] اس میں حاجی صاحب کے فراق میں جو اشعار ہیں[۳۶] وہ سفر ہجرت کے متعلق ہیں۔ پہلے سفر حج سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دراصل حج سے پہلے کا زمانہ حضرت حاجی صاحب کا حصول تعلیم و تربیت اور کسب فیض روحانی کا زمانہ ہے۔ اسی زمانے میں ظاہری تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا نصیر الدین نقشبندی دہلوی رح اور میاں جیو نور محمد جھنجھانوی چشتی قدس سرہ سے باطنی و روحانی تعلیم و تربیت کی بھی تکمیل کی۔ اور اجازت و خلافت حاصل کی۔ لیکن طالب سے مطلوب اور خادم سے مخدوم بننے کی توفیق جبھی حاصل ہوئی جب دربار نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں طلب فرمایا گیا اور سر مبارک پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ شریف رکھا۔ اسکے بعد سے حضرت امداد اللہ، حاجی امداد اللہ بنے اور آپ کی ذات بابرکات سے ارشاد و ہدایت کا وہ باب کھلا کہ شاید باید۔ علم دین کا فروغ ہو یا تزکیہ و احسان کی برکات و ثمرات، جہاد فی سبیل اللہ کا میدان ہو یا اذکار و اشغال کی خانقاہیں اخلاص و اخلاق، معاملات و سیاسیات، غرض وہ کونسا شعبۂ حیات ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں برصغیر ہند میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً حاجی امداد اللہ رح اور انکی جماعت کے بابرکت اثرات سے مستفید نہ ہوا ہو اور جہاں حاجی صاحب قدس سرہ کے ارشاد و ہدایت کا فیض نہ پہنچا ہو۔

مسجد پیر محمد والی تھانہ بھون میں قیام۔

حج سے واپسی کے بعد حاجی صاحب نے خاندانی جائیداد میں سے اپنا حصہ اپنے بھائی کے نام منتقل کردیا اور خود اللہ پر توکل کرکے مسجد پیر محمد والی تھانہ بھون کے ایک حجرے میں قیام پذیر ہوگئے۔ شروع میں بہت تنگی اور پریشانی رہی کیونکہ مہمانوں کی مستقل آمد و رفت رہتی تھی۔ مگر پھر حضرت کی بھاوج نے کہلوایا کہ آپ مہمانوں کی اطلاع بھجوادیا کریں دونوں وقت کا کھانا وہ بھیجا کرینگی۔ شروع میں حاجی صاحب نے انکار کیا لیکن ان کے اصرار پر قبول فرمالیا۔ اسکے بعد حاجی صاحب اور ان کے مہمانوں کا کھانا حاجی صاحب کے بھائی کے گھر سے آنے لگا۔[۳۷]

مسجد پیر محمد والی زمانہ قدیم سے علماء و مشائخ کا مسکن رہی ہے۔ اور حضرت حاجی صاحب کے زمانے میں بھی حضرت حاجی صاحب اور میاں جیو نور محمد[۳۸] کے دو خلفاء حضرت حافظ محمد ضامن اور حضرت شیخ محمد تھانوی مقیم تھے، اور ان تینوں مشائخ کے اجتماع کی وجہ سے یہ مسجد دوکان معرفت کہی جاتی تھی۔ اس مسجد سے حضرت حاجی صاحب اور ان کے دونوں رفقاء نے عشق و سرمستی کی وہ دولت لٹائی جو آج تک نسلاً بعد نسل اہل دل میں تقسیم ہورہی ہے۔ اس مبارک مسجد سے ارشاد و ہدایت کا جو چشمۂ صافی جاری ہوا اس سے تشنگان معرفت آج بھی پیاس بجھا رہے ہیں اور پورے عالم کو سیراب کررہے ہیں۔ اس زمانے میں یہاں کا ماحول نہایت نورانی تھا۔ کبھی ذکر و شغل کی محفلیں گرم ہوتیں تو کبھی معرفت الٰہی کے تذکرے۔ یہاں تزکیۂ نفس کی جو بھٹی روشن تھی اسمیں تپ کر بہت سے اللہ والے کندن بنکر نکلے۔ راہ سلوک کے مسافر یہاں آتے اور خود راہبر و راہنما بنکر لوٹتے۔ ان تینوں بزرگوں کی برکت سے اصلاح باطن کا بڑا کام اس مسجد سے شروع ہوا۔ نہ صرف یہ اللہ والے ذاکر و شاغل تھے بلکہ میدان کارزار کے بھی شہسوار تھے۔ اسی مسجد میں بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کیلئے جہاد کی تدبیریں بھی سوچی گئیں۔

دوسرا باب

جہاد ۱۸۵۷ء

حضرت حاجی صاحب اپنی جوانی کے آغاز میں دہلی میں تھے۔ اس وقت تمام دہلی اور خصوصاً حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کا مدرسہ، حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحٰق کے تلامذہ کے حلقے اور خانوادہ ولی اللہی سے وابستہ علماء کی مجالس درس حضرت سید احمد شہید بریلوی کے تذکروں سے گونج رہے تھے۔ سید صاحب کی للہیت، خلوص و جانفشانی، کلمۂ حق بلند کرنے اور اسلام کی سربلندی کے لئے جان کی قربانی کے چرچے رہتے تھے۔ ایک طرف تو محفلیں تذکروں سے گرم تھیں اور دوسری جانب انگریزی استعمار کے بڑھتے قدم حریت و آزادی کے نشانات کو مٹاتے اور مسلم اقتدار کے بجھتے چراغ کی لو کم کرتے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور خانوادۂ تیموری کے آخری حکمرانوں اور عالمگیر کی وسیع سلطنت کے وارثوں کی نااہلیت اور نالائقی بھی راز سربستہ نہیں تھی۔ مغل حکمرانوں کی کمزوری کے باوجود ملی غیرت اور وطن کی محبت کا تقاضا تھا کہ ہزاروں میل دور سے مسلط ہونے والی غیر ملکی آمریت کی اطاعت قبول نہ کریں۔ اور ہر ممکن صورت سے ہر میدان میں اس کا پوری طرح مقابلہ کریں۔

اس مطالبۂ ایمان و حریت پر لبیک کہتے ہوئے مجاہدین نے سر بکف آزادی کے لئے قدم بڑھائے اور شہروں شہروں، گاؤں گاؤں، اپنے اڈے قائم کرکے انگریزوں سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان جانبازوں کی کوششوں سے طائر آزادی نے میرٹھ میں اپنے پر کھولے اور دارالحکومت دلّی سے گزر کر سب کو بیدار و خبردار کر گیا۔

ان حالات میں کیسے ممکن تھا کہ ایسے نوجوان جو حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کے پاک اور انقلاب آفریں ماحول میں پلے بڑھے ہوں اور جو حضرت سید احمد شہید سے وابستگی بھی رکھتے ہوں اس صورت حال سے افسردہ و ملول نہ ہوں اور ملک میں غیر اسلامی حکومت اور مسلم اقتدار کی پامالی پر خاموش و مطمئن بیٹھے رہیں چنانچہ حزب ولی اللہی کا وہ کاروان

جس کا مرکز اس وقت تھانہ بھون تھا، اور اسکے اثرات، شاخیں، منتسبین اور متعلقین ضلع مظفر نگر اور سہارنپور کے تمام قصبات و دیہات میں پھیلے ہوئے تھے، بھی متحرک ہوگیا اس کے جذبات کو قاضی عبد الرحیم تھانوی کی سہارنپور میں مظلومانہ شہادت نے شعلۂ جوالہ بنا دیا اور انگریزوں کے خلاف اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے تسبیح کے ساتھ تلوار اٹھانے اور میدان جہاد میں آنے کے لئے آمادہ کر دیا۔

جنگ آزادی کو باقاعدہ شکل دینے اور منظم طریقے پر آگے بڑھانے کے لئے سب سے پہلے ان بزرگوں نے تھانہ بھون میں نواح کے ممتاز علماء کا ایک منتخب اجلاس بلایا، جس میں حضرت حاجی امداد اللہ، مولانا شیخ محمد تھانوی، حضرت حافظ محمد ضامن، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی وغیرہ شریک ہوئے۔ اس مجلس میں ملک کی صورت حال پر غور و فکر اور عملی اقدامات کے متعلق مذاکرہ ہوا۔ مورخین کی روایات و اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں دو موضوع بطور خاص زیر گفتگو آئے، انگریز سے جنگ کی جائے یا نہیں؟ اور اگر جنگ ہو تو یہ جنگ جہاد ہوگی یا نہیں۔ اس مذاکرہ کی تفصیل مولانا محمد میاں نے اس طرح قلمبند فرمائی ہے:

> "اجلاس شوریٰ میں تمام حاضر ارکان نے اقدام کا فیصلہ کیا یعنی دہلی کے فتویٰ جہاد کی تصدیق و توثیق کی۔ صرف ایک بزرگ مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی رائے مخالف رہی۔ اس اجتماع کی ایک بحث ملاحظہ ہو۔
>
> حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے حضرت شیخ محمد صاحب سے خطاب کرتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا: حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے؟

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب: اسلئے کہ ہمارے پاس اسلحہ و آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: کیا اتنا بھی سامان نہیں جتنا کہ غزوۂ بدر میں تھا۔

حضرت مولانا شیخ محمد: اگر آپ کی تمام حجتیں اور باتیں مان لی جائیں تو سب سے بڑی شرط جہاد میں نصب امام کی ہے، امام کہاں ہیں کہ ان کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد قاسم: نصب امام میں کیا دیر لگتی ہے۔ مرشد برحق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں۔ ان ہی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی جائے۔ ۳۹

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب: مولانا! بس سمجھ میں آگیا۔"

اس گفتگو کے بعد فیصلہ اسی پر ہوا کہ انگریز حکومت کے اقتدار کو کالعدم تسلیم کرتے ہوئے، اسلامی حکومت اور شرعی اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ اگر مقصد کو حاصل کرنے میں کچھ مزاحمت ہو تو اس کو دور کیا جائے۔ اور اگر انگریز حکومت رخنہ ڈالے تو اس سے جنگ کی جائے اور یہ جنگ جہاد سمجھی جائے گی۔ اس فیصلے کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے دست مبارک پر سب نے بیعت کی اور حاجی صاحب کو امیرالمومنین منتخب کر لیا گیا۔ دیگر عہدوں کی تقسیم اس ترتیب سے ہوئی:

سپہ سالار افواج۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی

قاضی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی

افسر فوج دایاں بازو (میمنہ) مولانا محمد منیر نانوتوی

افسر فوج بایاں بازو (میسرہ) حضرت حافظ محمد ضامن ۴۰

حضرت حاجی صاحب کے رفقاء کے علاوہ اکثر اہل تھانہ بھون اس نظام سے متفق ہو گئے تھے اور بقول

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اس حکومت نے قانون شرعیت کے مطابق کچھ فیصلے بھی صادر کئے۔
اور حضرت حاجی صاحب نے شہر کا انتظام ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس کے بعد:

"شہر کے ایک سرے پر کچھ بیرکوں میں سرکار انگریزی کے چند ملازمین کا قیام تھا۔ ان کو نکال کر بیرکوں کو خالی کرالیا گیا۔" [۴۱]

یہ تمام اقدامات ہوئے مگر انگریزوں نے ان کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ان کی پوری توجہ بڑھانہ اور مظفر نگر کے ہنگامے پر رہی۔

اس نظام اور ترتیب کار کے بعد اصل کام یعنی سلسلۂ جہاد کی طرف توجہ کی گئی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ عام مسلمانوں اور اہل شہر کے پاس جو ہتھیار تھے وہ بہت اعلیٰ درجے کے نہیں تھے۔ وہی قدیم طرز کے ہتھیار موجود تھے جو اس وقت عام طور سے دستیاب تھے۔ مگر حضرت حاجی صاحب کے تمام رفقاء و معاونین جذبۂ ایمانی سے پُر اور شوق جہاد اور شہادت کی آرزو سے مست و سرشار تھے۔ ہتھیاروں کا پرانا پن اور سامان کی قلت ان کے بلند عزائم میں رکاوٹ نہ ڈال سکی اور فوج کی ترتیب قائم کرلی گئی۔ اسکے بعد اطلاع آئی کہ سہارنپور کے انگریزی فوج کے سپاہی اور توپ خانہ شاملی بھیجا گیا ہے جو رات کو تھانہ بھون سے گذرے گا۔ شاملی جانے والی سڑک باغ شیر علی تھانہ بھون سے گذرتی تھی۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ اطلاع پاکر مولانا گنگوہی کو تیس چالیس افراد کے ساتھ اس باغ میں متعین کردیا۔ یہ سب مجاہدین باغ میں پوزیشن لے کر بیٹھ گئے اور جب انگریزی فوج کا وہ دستہ اس راستہ پر پہنچا تو سب نے ایک ساتھ حملہ کردیا۔ اس حملے میں چوتھے رسالہ کا سردار پرتاپ سنگھ مارا گیا۔ باقی سپاہی بھاگ گئے۔ اور گولہ بارود کا ذخیرہ اور ایک توپ مجاہدین کے ہاتھ آئی۔

جو انگریز سپاہی باغ شیر علی کے واقعہ سے جان بچاکر بھاگ نکلے تھے، ان کی زبانی اس واقعہ کی اطلاع ان انگریز افسران کو ملی جو اس وقت شاملی میں تھے۔ ان افسران میں ہنری مالکم لو مظفر نگر کا کلکٹر، آر ایم ایڈورڈس اور جوائنٹ مجسٹریٹ سی گرانٹ قابل ذکر ہیں۔ [۴۲]

شاملی تحصیل کا صدر مقام اور ایک اہم تجارتی منڈی تھا، اور وہاں کا ایک رئیس اور ذی اثر جاٹ مہر سنگھ بغاوت پر آمادہ تھا اور اس سلسلے میں اس نے دہلی کے بادشاہ سے نامہ و پیام بھی کیا تھا۔ اسلئے انگریزی حکام نے شاملی میں تمام حفاظتی انتظامات کر لئے تھے۔ مجاہدین نے باغ شیر علی کی کامیابی کے بعد ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ / ۴ ستمبر کو شاملی کی گڑھی پر یلغار کی۔ اس وقت شاملی میں تخمیناً دس سوار پنجابی رسالہ کے اور اٹھائیس سپاہی جیل خانہ کے، پچاس سے زائد سپاہی متعینہ تھانہ تحصیل اور تھانہ، اور باقی افراد افسر کے خاندان کے مع اکبر خاں اور اسکے بھائی کے جو رامپور سے گئے تھے وہاں موجود تھے[۴۳]۔ یہ سپاہی اور تمام سرکاری عملہ اسلحہ کے بڑے ذخیرے اور مدافعت کے تمام سامان سے لیس تھے۔ مجاہدین کے وہاں پہنچنے پر انگریزی فوج اور سپاہی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اور اندر سے فائرنگ کرتے رہے۔ مجاہدین کھلے میدان سے مقابلہ کر رہے تھے اسلئے شروع میں انہوں نے نقصان بھی اٹھایا مگر پھر حضرت مولانا محمد قاسم نے ایک چھپر جس کے اندر کچھ مجاہدین پوزیشن لئے بیٹھے تھے، اس گڑھی کے دروازے پر رکھ کر آگ لگا دی، جس سے گڑھی کا دروازہ جل گیا اور مجاہدین کو اندر گھسنے کا موقع مل گیا۔ اسکے بعد گڑھی میں دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ گڑھی کے تمام سپاہی، فوجی اور محافظ مارے گئے اور مجاہدین اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ اسطرح مجاہدین نے اس گڑھی کو تباہ کر کے انگریزوں کے اس مستقر کو ناکارہ کر دیا اور اسی دن شام کو تھانہ بھون واپس ہو گئے۔ اس جہاد میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید ہو گئے[۴۴]۔

اس واقعہ کے پانچ روز کے بعد ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج شاملی کا بدلہ لینے کیلئے تھانہ بھون پہنچی۔ اہل تھانہ بھون کو اس کا اندازہ تھا اور انہوں نے مدافعت کی تیاری کر رکھی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل مالکم لو کی زبانی اسطرح ہے:

"۱۹۔ تاریخ (ستمبر) کو چھ بجے صبح فوج تمام رات سخت یلغار کرتی ہوئی تھانہ بھون جا پہنچی۔ جس سڑک سے ہو کر ہم گذرے اس کے آخری تین میل پر دشمن کے تھوڑے تھوڑے آدمی متعین تھے۔ لیکن جیسے جیسے ہماری پیش قدمی ہوتی گئی وہ تھانہ بھون کی طرف لوٹتے گئے۔ دشمن کی

ایک جمعیت جو ایک گنبد میں متعین تھی چھروں کی چند باڑھیں چلنے سے دہل کر شہر پناہ کے اندر داخل ہوگئی اور ہماری فوج نے تھوڑی گولہ باری کر کے ہلہ بول دیا اور شہر کے ایک حصے پر قابض ہوگئی۔ دو توپیں بھی ہمارے ہاتھ آئیں۔ لیکن گورکھوں اور سکھوں کی بدتدبیری اور غلط طریقہ کی بنا پر حملہ آور فوج (انگریزی) کو پھر شہر کے باہر دھکیل دیا گیا۔ ایک بڑی تعداد ہلاک اور زخمی ہوئی، اور توپوں پر پھر دشمن کا قبضہ ہوگیا۔ آخر کار طے پایا کہ انگریزی فوج مظفر نگر کی طرف پسپائی اختیار کرے۔" [۴۵]

اس جنگ میں بھی انگریزوں کو شکست ہوئی۔ یہ ناکامی اور بزدلانہ پسپائی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے انگریز افسران کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہوا۔ اور وہ اس ہزیمت کے لئے ایک دوسرے کو الزام دینے لگے۔ اسکے بعد انہوں نے تھانہ بھون پر بھرپور حملہ کرنے کا پلان بنایا اسلحہ اور سپاہی جمع کئے اور پوری تیاری کے بعد ستمبر کے آخری دنوں میں تھانہ بھون پر زوردار حملہ کیا۔ ادھر مجاہدین بھی تیار تھے۔ وہ انگریز فوج کے آتے ہی شہر پناہ کے دروازے بند کر کے محصور ہوگئے۔ اور مدافعتی جنگ کرنے لگے۔ مجاہدین کے پاس دشمن سے چھینی ہوئی توپیں تھیں، ان سے گولہ باری کرتے رہے۔ کافی مزاحمت کے بعد بالآخر انگریز فوجیوں نے فصیل توڑ دی، دروازے اڑا دئے اور تیل چھڑک کر مکانوں کو آگ لگادی۔

مجاہدین نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ راستے سے باہر نکالنا شروع کردیا۔ جب انگریز فوج شہر میں داخل ہوئی تو اکثر مجاہدین اور ان کے قائدین جن میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، قاضی عنایت علی اور دوسرے ممتاز افراد شامل تھے، محفوظ طریقہ سے باہر نکل آئے۔ جب مجاہدین نے تھانہ بھون خالی کردیا تو انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اور اس نے خوب لوٹ مار کی۔ جو افراد بستی میں رہ گئے تھے ان کو پھانسی پر لٹکایا، گھروں کا سامان لوٹ کر انہیں آگ لگادی اور پوری بستی کو برباد و تاراج کردیا۔

یہ ہے وہ داستان کہ کسطرح حاجی صاحب اور انکے رفقاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی پیروی کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کیلئے جہاد کیا اور جان و مال کی قربانیاں دیں۔ ارشاد و ہدایت کا یہ سب سے عظیم الشان طریقہ ہے۔

باب سوم: ہجرت کے بعد کے واقعات۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی روپوشی اور ہجرت

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد کافی عرصہ تک حضرت حاجی صاحب مختلف مقامات پر روپوش رہے۔ جنگ آزادی کے تقریباً دو سال بعد ۱۸۵۹ء/۱۲۷۶ھ میں ہندوستان سے ہجرت کا ارادہ فرما لیا۔ حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ لکھتے ہیں:۔

"ناگاہ جناب حاجی صاحب سلمہ اللہ کو جناب باری سے الہام ہوا کہ بیت اللہ آؤ۔" ۴۶

چنانچہ حضرت حاجی صاحب کراچی بندرگاہ سے ہوتے ہوئے حجاز پاک روانہ ہو گئے۔ جناب انوار الحسن شیر کوٹی نے بحوالہ احوال مولانا محمد قاسمؒ، مولفہ مولینا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت حاجی صاحبؒ کا سفر ہجرت ۱۲۷۷ھ میں لکھا ہے، ۴۷ مگر انوار الحسن صاحب کی یہ اطلاع درست نہیں ہے، ان کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے ۱۲۷۷ھ میں جس سفر کا ذکر کیا ہے وہ مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا یعقوبؒ وغیرہ کا سفر حجاز ہے، حضرت حاجی صاحبؒ کا نہیں۔ جس سفر کا یہاں ذکر کیا ہے اسکی پوری تفصیل مولانا محمد یعقوب نے اپنے روزنامچہ میں تحریر فرمائی ہے۔ ۴۸

مکہ معظمہ میں قیام

مکہ مکرمہ میں شروع میں چند سال تک کوہ صفا پر اسمٰعیل سیٹھ کی رباط (مسافر خانہ) کے ایک کمرے میں مقیم رہے، مگر پھر سیٹھ اسمٰعیل کے لڑکے سے کچھ نامناسب باتیں سرزد ہوئیں جس سے حاجی صاحب کو تکدر ہوا اور رباط اسمٰعیل کا قیام ترک فرما دیا۔ اسی زمانے میں بلا کسی کوشش اور تحریک کے ریاست حیدرآباد سے ریاست کے کارندوں کے نام حکم نامہ پہنچا کہ مکہ معظمہ میں واقع ریاست کے دو مکانوں میں سے جو مکان بھی حضرت حاجی صاحبؒ کو پسند ہو، اسکی چابی انہیں پیش کر دی جائے۔ چنانچہ ایک مکان کی کنجی حضرت کے خدام کے حوالہ کر دی گئی۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد

حضرت حاجی صاحب کے ایک مخلص عقیدت مند نے محلہ حارۃ الباب میں ایک مکان خرید کر حضرت والا کی نذر کیا۔ حاجی صاحب آخر عمر تک حارۃ الباب کے اسی مکان میں مقیم رہے۔ یہ مکان حضرت شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی قیام گاہ رہا تھا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یہ مکان جس میں میری نشست گاہ ہے، نشست گاہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے" [۴۹]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے کچھ دن آغا الماس کی رباط میں بھی قیام فرمایا ہے۔ [۵۰]

ہجرت کے ابتدائی دنوں میں حاجی صاحب کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مالی اعتبار سے بہت پریشانی رہی۔ یہاں تک کہ فاقوں کی نوبت آگئی لیکن حاجی صاحب امتحان کے اس دور میں صابر و شاکر رہے اور حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور نہ ہی دست سوال دراز کیا۔ آخر کار اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی اور امتحان کا دور ختم ہوا۔ یہ زمانہ تھوڑے عرصہ میں ہی ختم ہوگیا اور اسکے بعد آپ کو بقدر ضرورت روزی آسانی سے ملنے لگی۔ خزانۂ رحمت سے ہمیشہ آپ کو اتنا ملتا رہا کہ آپ کو کبھی خرچہ کی پریشانی نہیں ہوئی اور آپ کے مصارف ہمیشہ پورے ہوتے رہے۔ حضرت حاجی صاحب نے رزق کے لئے ہمیشہ اللہ پر توکل کیا اور خزانۂ غیب سے آپ کی ضرورتیں پوری ہونے کا ہمیشہ انتظام ہوتا رہا۔ لیکن اس کے لئے جس آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس میں حاجی صاحب پورے اترے۔

حج کے زمانے میں ہندوستانی حاجیوں کی بڑی تعداد حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھی اور آپ سے فیوض و برکات حاصل کرتی تھی۔ ایک بار تو علماء ہند کا ایک بڑا قافلہ حج کو گیا اور حاجی صاحب نے میزبانی فرمائی۔

ہجرت کے بعد بھی حاجی صاحب کا رشد و ہدایت کا فیض اسطرح ہندوستان میں جاری رہا۔

بنائے مدارس دینی و دیگر خدمات

تحریک جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد اگرچہ حضرت حاجی صاحبؒ ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے مگر ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات اور ان کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور یہاں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ مسلمانوں کی اصلاح اور ان کے دینی و ملی تشخص کے بقا کی فکر ہر وقت رہتی تھی۔ اس دوران حضرت حاجی صاحب اور حاجی صاحب کے دامن فیض سے وابستہ ممتاز مسترشدین کو اس بات کا پورا احساس ہو گیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے دینی، علمی، تہذیبی اور تاریخی ورثہ کی حفاظت کیلئے ضروری ہے کہ ایک ایسا وسیع تعلیمی نظام قائم کیا جائے جو مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات، ایمانی جذبات، اخوت کی روح اور جہاد کے پیام کو زندہ اور تر و تازہ رکھے، اور آئندہ نسلوں کا ذہنی و فکری رشتہ امت مسلمہ سے وابستہ رکھنے میں مددگار ثابت ہو۔

اس مبارک جد و جہد کی ابتدا دیوبند سے ہوئی جہاں اللہ کے کچھ نیک اور مخلص بندوں نے ایک مسجد میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ واقعہ ۱۸۶۶ء کا ہے۔ بعد میں ترقی کر کے یہی مدرسہ دارالعلوم دیوبند بنگیا، اور ایشیا کے دور دراز خطے اور دور افتادہ ممالک بھی یہاں کے علمی و دینی نور سے منور اور اس ادارہ کی تعلیمات سے فیض یاب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

اس زمانے میں ایسی تحریک کتنی مفید اور ضروری تھی اور عام مسلمانوں میں اسکی کس قدر طلب پائی جاتی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک ہی سال میں دور دراز علاقوں اور ملکوں سے طلباء آنے شروع ہو گئے۔ اور بعد میں یہ مدرسہ جو چھتہ والی مسجد دیوبند میں انار کے ایک درخت کے نیچے شروع ہوا تھا، ایک عظیم الشان کثیر المقاصد اور کثیر المنافع ادارہ بن گیا جس نے مسلمانوں کو نادر روزگار علماء، ممتاز محدثین و مفسرین اور مصلحین امت عطا کئے۔ ساتھ ہی اس ادارہ نے نامور

مجاہدین آزادی اور سیاسی قائدین بھی پیدا کئے۔ اس مدرسہ نے ہندوستانی مدارس کی تاریخ میں ایسا بلند و اعلیٰ مقام حاصل کیا جسکی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسکے علمی و دینی اثرات نہایت دوررس اور ہمہ گیر ہیں۔

مدرسہ دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ کی توجہات کا ثمرہ تھا۔ خود حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"بنائے مدارس فقیر نے آغاز کی ہے۔" ۵۱

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس پر تحریر فرماتے ہیں:

"جو مدارس دینی کہلائے جا سکتے ہیں ان سب میں اول مدرسہ دیوبند ہے، اور بانی اس کے سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خواص ہیں، جنکو حضرت نے متوجہ کیا تھا۔" ۵۲

اس مدرسہ کے موسسین میں حضرت حاجی عابد حسینؒ دیوبندی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ حضرت کے خلفاء مجاز تھے۔ اور اسکے مہتمم مولانا رفیع الدینؒ اور پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بھی حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں تھے۔ اور اسطرح یہ مدرسہ حضرت حاجی صاحب کے خوالوں کی تعبیر، خانوادۂ ولی اللہی کے علوم اور سلسلۂ امدادیہ کے ذوق معرفت کا مظہر تھا۔

اس مدرسہ کی امداد کیلئے خود حضرت حاجی صاحب بھی ایک روپیہ ماہانہ یعنی بارہ روپے سالانہ چندہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اس سستے دور میں بارہ روپے کی بھی خاصی قیمت تھی۔ حاجی صاحب کا مدرسہ کو چندہ بھیجنے کا معمول دراصل اس تعلق کا اظہار ہے جو اس مدرسہ سے حضرت والا کو تھا۔ حاجی صاحب پورے سال کا چندہ یکمشت بھیجدیا کرتے تھے۔ ایک مکتوب مورخہ ۱۹ محرم ۱۲۹۹ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

"مبلغ دوازدہ روپیہ تنخواہ مدرسہ ہمراہ منشی مولا بخش صاحب ہرسند از رسیدش اطلاع فرمائید" ۵۳

(بارہ روپے مدرسہ کی تنخواہ کے منشی مولا بخش صاحب کے ہمراہ پہنچینگے۔ اسکی رسید کی اطلاع فرمادیں۔)

حاجی صاحب ایک اور مکتوب مورخہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور بارہ روپے بابت چندہ مدرسہ کے ہمراہ مولوی سید احمد مدرس اعلیٰ کے فقیر نے روانہ کئے ہیں۔ رسید سے مطلع فرمانا۔" ۵۴

اور مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) کی روداد ۱۳۱۱ھ میں "حضرت حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب دام ظلہم مہاجر کے ۱۳۱۰ھ اور ۱۳۱۱ھ کے بارہ بارہ روپے وصول ہونے کی اطلاع ہے۔ ۵۵

حضرت حاجی صاحب کی یہ توجہ صرف سالانہ چندہ بھیجنے تک محدود نہیں تھی بلکہ مدرسہ کی ترقی اور حالات کی برابر فکر رکھتے اور مدرسہ کے ذمہ داروں کو مدرسہ کی مخلصانہ خدمت اور ترقی کے لئے متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک خط حاجی عابد حسین کو تحریر فرمایا ہے:

"میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق میں ہندوستان میں رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ مدینہ کے رہنے سے افضل ہے، مگر الحمد للہ وہاں جاکر بھی آپ کو یہی حکم ہوا۔ سو اب تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جاوے وہ کام کرو، اور اپنے ارادہ کو اسکی رضامندی میں فنا کردو۔" ۵۶

ایک مکتوب میں مولانا رفیع الدین مہتمم دارالعلوم کے نام ارشاد ہوا ہے:

"اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تم سب صاحب بدل مدرسہ کی بہبودی میں مصروف ہو مگر فقیر بھی تم کو لکھ کر داخل ثواب ہوتا ہے۔

عزیزمن۔ خصوصاً تم کو کہ مدرسہ کے مہتمم ہو چند امور کا لحاظ چاہیئے کسی کے ساتھ بے وجہ رعایت نہ چاہیئے، با امانت و دیانت رہنا چاہیئے۔ اگر کسی کے ساتھ

رعایت ومروت کروگے تو کل کو جواب دینا ہوگا۔ دوسرے مال مدرسہ کا مال بیت المال ہے، اس سے قرض، دام اور پیشگی تنخواہ مت دیا کرو۔ تم کو اس میں تصرف نہیں پہنچتا۔ تیسرے یوں تو سارے مدرس اس مدرسے کے فقیر کے عزیز اور پیارے ہیں، مگر عزیزم مولوی محمد یعقوب صاحب سے چند وجوہ سے زیادہ واسطہ ہے۔ لہٰذا اگر وہ مدرسہ کے کسی کام میں کوتاہی کیا کریں تو ان سے کام لیا کرو۔ انشاء اللہ وہ اس سے ناراض نہ ہونگے کیونکہ دانا ہیں۔" [۵۷]

اس مضمون کے خطوط مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے نام بھی تحریر فرمائے [۵۸] اور اس کا اہتمام رہتا تھا کہ مدرسہ کے حالات برابر پہنچتے رہیں۔ مندرجہ بالا خطوط سے جہاں حضرت حاجی صاحب کی خصوصی توجہ مدرسہ کے بارے میں ظاہر ہوتی ہے وہیں اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حاجی صاحب کو اپنے مریدوں اور خلفاء کی اصلاح وتربیت کا خصوصی خیال تھا اور حضرت والا مکتوبات میں بھی اس کا اہتمام فرماتے رہتے تھے۔ یہ اسی توجہ باطنی اور تربیت کا اثر تھا کہ حضرت حاجی صاحب کے خلفاء بہ یک وقت علماء وصلحاء تھے۔

حضرت حاجی صاحب اپنے دامن سے وابستگان کے احوال کی خبر رکھتے تھے اور مکہ شریف میں بیٹھ کر ہندوستان میں رہنے والے مریدوں کی اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ہر ایک کی فطری صلاحیت کا اندازہ لگا کر اسے ایسی دینی خدمت میں لگانا جو اسکی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہو، یہ حاجی صاحب کا خاص کمال تھا۔

حاجی عابد حسینؒ صاحب کو یہ تحریر فرمانا کہ مدرسہ کیلئے ہندوستان میں رہکر کوشش وسعی کرنا ان کے لئے مکہ مدینہ میں رہنے سے زیادہ بہتر ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ اجتماعی خیر کثیر کے کاموں کو حضرت حاجی صاحب زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ اجتماعی ذمہ داری کا یہی احساس تھا جس نے حضرت والا کو انگریزوں کے خلاف جہاد کیلئے آمادہ کیا۔ بعد میں مکہ معظمہ ہجرت فرمانے کے بعد دینی مدارس کے قیام کیطرف آپنے توجہ فرمائی۔

حاجی صاحبؒ کے نکاح

حضرت حاجی صاحب اپنی روحانی مشغولیات کی وجہ سے ۴۸ سال کی عمر تک مجرد رہے۔ بعد ازاں اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں میں لوزانیت ہے اور نکاح کرنا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص سنت ہے لہٰذا اس سنت کو ترک کرنا مناسب نہیں لہٰذا مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کے بعد جب پانچ سال گذر گئے تو ۲۱ رمضان المبارک ۱۲۸۱ھ / فروری ۱۸۶۵ء کو کلکتہ کی ایک خوش بخت خاتون بی بی خدیجہؒ سے بعوض ساٹھ ریال حضرت کا پہلا نکاح ہوا۔ بی بی خدیجہ کے انتقال کے بعد حاجی صاحب کا دوسرا نکاح مخطوبہ سابقہ بی بی خیر النساء سے شوّال (غالباً سات تاریخ) ۱۳۰۸ھ کو مکہ مکرمہ میں ہی ہوا۔ ان بی بی صاحبہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کی تھانہ بھون میں قیام کے زمانہ میں نسبت طے ہو گئی تھی مگر شادی نہ ہو سکی۔ بعد میں ان کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا مگر بیوہ ہو گئیں۔ اللہ کی قدرت دیکھئے کی صغیفی کی عمر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور بی بی خیر النساء صاحبہ کا نکاح ہوتا ہے۔ بی بی صاحبہ صغیفی کے باوجود مکہ مکرمہ کا سفر فرماتی ہیں اور حضرت حاجی صاحب سے ان کا نکاح اس حال میں ہوتا ہے کہ حاجی صاحب کی عمر شریف ۷۵ پچھتر سال کی ہو چکی تھی اور حضرت حاجی صاحب کا ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ بینائی اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ قریب کے آدمی کو بھی پہچاننا مشکل تھا۔ یہی حال بی بی صاحبہ کا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس نکاح کا ہونا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی روحانی سلسلہ تھا اور اللہ کو ان دونوں سعید روحوں کو ملانا مقصود تھا۔

بی بی صاحبہ بھی بہت نیک اور خدا رسیدہ خاتون تھیں لیکن بینائی نہ ہونے کی وجہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت سے معذور تھیں۔ حاجی صاحب نہایت ضعیف اور بیمار تھے اور اٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارے کی ضرورت پڑتی تھی۔ رام پور منہاران کی ایک خاتون ان دونوں معذور میاں بیوی کی خدمت کرتی تھیں۔ حاجی صاحب کو نامحرم عورت کا ہاتھ اپنے جسم مبارک سے صغیفی میں بھی اٹھانے بٹھانے کے لئے چھوا جانا گوارا نہ تھا لہٰذا یہ طے پایا کہ وہ خاتون

جو خدمت کرنے پر مامور تھیں ان سے بھی نکاح ہو جائے تاکہ وہ نامحرم نہ رہیں اور حاجی صاحبؒ کی خدمت صفائی میں بلا تکلف کر سکیں۔ چنانچہ ان خاتون سے تیسرا نکاح اس وجہ سے ہوا۔ اس طرح حاجی صاحب کے کل تین نکاح ہوئے لیکن اولاد کسی سے بھی نہیں ہوئی۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو کوئی بیٹا یا بیٹی نہیں دی لیکن اللہ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے روحانی سلسلہ کو اتنی وسعت، برکت اور کثرت عطا فرمائی کہ سلسلۂ امدادیہ سے وابستہ حضرات کی فہرست بنائی جائے تو ضرور لاکھوں تک پہنچے گی، انشاء اللہ۔

نہ صرف یہ کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت حاجی صاحب کا نام چلایا، آپ کا ذکر بلند فرمایا، بلکہ آپ کی ذات بابرکات کو اتنا بافیض بنایا کہ ایک صدی گذر جانے کے باوجود آپ کے سلسلۂ امدادیہ کا فیض و برکت آج بھی جاری ہے اور پورا عالم اس سے مستفید ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ قیامت تک حضرت والا کا فیض و برکت سلسلۂ امدادیہ سے وابستگان کے ذریعے جاری و ساری رہے گا۔ آمین!

وفات

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء کے شروع میں مرض پیچش میں مبتلا ہوئے جسکی وجہ سے ضعف بہت ہوگیا۔ ایک خط میں مولانا اشرف علی تھانوی رح کو تحریر فرمایا:۔

"کچھ پیچش ہوگئی تھی، اس کو تو آرام ہوگیا، ضعف کی یہ حالت ہے کہ ایک جانب سے دوسری جانب کروٹ لینا مشکل ہے۔ اب تو یہی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دار فانی سے جلد بلا لے۔" ۷۳

اس کے بعد کمزوری اور بیماری کا سلسلہ چلتا رہا اور اسی حال میں انتقال فرمایا اور محبوب حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔ وفات کے وقت کا کچھ احوال حضرت کے خادم جناب عبدالرحیم نے اسطرح تحریر فرمایا ہے:۔

"بارہویں تاریخ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ میں بعد ظہر حضرت ہادینا رحمۃ اللہ علیہ تلاوت کلام مجید میں مشغول ہوئے۔ نہایت فصاحت سے اول "فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" بعد ازاں آخر آیۃ سورۃ حشر اور آیتیں رازو نیاز کی چھانٹ چھانٹ کر دیر تک پڑھیں۔ اسی طرح پر دن گذرا، رات آئی۔ بعد عشا سب اخوان اپنے اپنے معمولی اوقات پر حاضر ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نہایت فصیح زبان سے وصیت کو اعادہ فرما کر مستغرق و مشغول بحق ہوگئے۔ بہت دیر کے بعد فرمانے لگے "اللہ واحد" سبکو معلوم ہے۔ پھر پڑھا وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ پھر مشغول الی اللہ ہوگئے۔ جب وقت وصال قریب پہنچا ارشاد ہوا "حسن خاتمہ کے واسطے دعا کرو"۔ مولوی محب الدین دعا میں مشغول ہوئے اور سب اخوان نہایت تضرع سے آمین آمین کہتے رہے۔ قریب دو بجے رات کے کروٹ بدلی اور پھر چت لیٹ کر جان بحق تسلیم ہوئے۔" ۷۴

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تدفین مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ

میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک سے چند قدم کے فاصلے پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے برابر عمل میں آئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ ۷۵ھ

حاجی صاحب کے جنازے میں بڑی تعداد میں اہل مکہ، عوام وخواص، علماء اور اھل اللہ شریک ہوئے۔

وفات کے وقت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہ کی عمر شریف چوراسی ۸۴ سال کی تھی۔ اور اسطرح ارشاد و ھدایت کا یہ آفتاب جو قصبہ نانوتہ (ہندوستان) میں طلوع ہوا تھا، بیت اللہ شریف کے جوار رحمت میں ام القریٰ مکۃ المکرمہ کی پاک سرزمین میں غروب ہوگیا۔

باب چہارم
تصوف اور اسکے سلاسل

گذشتہ ابواب سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سوانح حیات، ان کی زندگی کے بنیادی وصف، اور ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی، اخلاقی، روحانی اور سیاسی ترقی کیلئے ان کی کوششوں کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ دراصل حضرت حاجی صاحبؒ کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر ان کی انسانیت دوستی، اعلیٰ ظرفی اور وسیع المشربی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں۔ حاجی صاحب کی شخصیت میں عبدیت کا احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ملتا ہے۔ سادگی وانکساری، تواضع اور توکل علی اللہ آپ کی شخصیت کے بنیادی عناصر ہیں۔ ان ہی اوصاف حمیدہ کی بدولت حضرت حاجی صاحب کو تصوف وسلوک کی دنیا میں غیر معمولی اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہوا، اور ان کے شمامہ مشام انگیز سے حضرت حاجی صاحب کی آفاقیت اور محبوبیت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب کی اتنی زیادہ مقبولیت نے یہ ثابت کردیا کہ حسن اخلاق، انسان دوستی اور دلآویزی پیدا کرنے والی چیز تصوف ہے۔ آئیے سب سے پہلے تصوف کی حقیقت واہمیت اور اسلامی تعلیمات میں اس کے صحیح مقام کا تعین کیا جائے۔

تصوف کا اصل قدیم نام جس کی سنت اور آثار صحابہؓ سے تائید ہوتی ہے، احسان ہے۔ اسی کو تزکیۂ نفس اور سلوک کہتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان پر عبدیت کا احساس غالب رہے۔ وہ اپنی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول سمجھے۔ وہ اپنے ہر ایک عمل کا جائزہ لیتا رہے اور احتساب کرتا رہے کہ اس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی یا ناراضگی۔ اسکی عبادات قرب الٰہی کا ذریعہ ہوں اور اسمیں ریا اور دکھاوا بالکل نہ ہو۔

جب انسان اپنے آپ کو اس منزل پر لے آئے کہ وہ ہر کام سے اللہ کی رضا کا خواہاں اور جویاں ہو اور ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے عمل کے سرزد ہوتے وقت آدمی کو اس بات کا احساس ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کا ہر ہر قول اور ایک ایک عمل قلمبند کیا جارہا ہے اور جب اللہ کی محبت اور خوف دل میں جاگزیں ہوجائے تو اسی کیفیت کا نام سلوک واحسان، اور معروف اصطلاح میں تصوف ہے۔

یوں تو تصوف کی تعریف مختلف علما، اور صوفیا نے اپنے اپنے علم اور مقام کے اعتبار

سے کی ہے لیکن سب سے جامع تعریف جسے تمام علماء اور صوفیا کی بحثوں پر فوقیت حاصل ہے، وہی ہے جو خود نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ ارشاد عالی ہے:۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۷۶

اللہ کی عبادت اسطرح کر، گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو (کم از کم اسکا یقین رکھ کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ ارشاد عالی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے حدیث جبرئیل اور حدیث احسان بھی کہا جاتا ہے۔ اس حدیث پاک کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا ایمان کسے کہتے ہیں، آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس سے ملنے کا اور اسکے پیغمبروں کا یقین کرے اور مر کر جی اٹھنے کو مانے۔ اس نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام یہ ہے کہ اللہ کو پوجے، اسکے ساتھ شرک نکرے اور نماز کو ٹھیک (طرح ادا) کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ اس نے پوچھا احسان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کو ایسا دل لگا کر پوجے جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہو سکے تو خیر اتنا خیال رکھ کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا قیامت کب آئے گی؟ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ جس سے پوچھتا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تجھکو اسکی نشانیاں بتلائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے میاں کو جنے اور جب کالے اونٹ چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں ٹھونکیں (بڑے امیر بن جائیں) قیامت (غیب کی) پانچ باتوں میں ہے، جنکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ لقمان کی یہ آیت پڑھی" بے شک اللہ ہی جانتا ہے قیامت کب آئیگی" پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسکو پھر میرے سامنے لاؤ۔ لوگ گئے تو وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ تب آپ نے فرمایا

یہ جبرئیلؑ تھے، لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو ایمان میں شریک کر دیا۔"[۵۷]

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے احسان کے بارے میں اس ارشاد نبوت کی وضاحت یوں فرمائی ہے:۔

"میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے، احسان ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یعنی سالک میں ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے، یہ مبدا ہے اور باعتبار نہایت کے رضائے باری عز اسمہ کا حصول ہے

فراق و وصل چہ خواہی، رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے۔

(فراق و وصل کو کیا ڈھونڈھتا ہے، محبوب کی رضامندی ڈھونڈھ۔ کہ محبوب سے اس کے علاوہ کوئی اور تمنا بڑے افسوس کی بات ہے)

یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت صادقہ پیدا ہو جائے اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جائے کہ ما سوٰی کا تعلق قلبی منقطع ہو جائے، یہ اور اس کے موئدات و ذرائع سب کے سب وسائل ہیں۔ ریاضات اور اصلاح اخلاق بھی اسی قسم سے ہیں۔

متقدمین صوفیہ اصلاح اخلاق کو مقدم سمجھتے تھے اور لمبا اوقات اس میں سالہا سال خرچ کر دیتے تھے۔ جس کے نتیجے میں لمبا اوقات وصول الی اللہ سے پہلے موت آجاتی تھی۔ اور انسان کو اس نعمت سے محرومی کی حالت میں دنیا سے سفر کرنا پڑتا متاخرین نے اس میں تدبر سے کام لیا۔ وہ وصول الی اللہ اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں اور اس رابطہ میں انہماک کرا کر حضور دائم کو پیدا کرتے ہیں، اور اسمیں ملکہ کو رسوخ و قوت دیتے ہیں۔ جسکی وجہ سے اخلاق ذمیمہ اور رزائل ایک ایک کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔

بہرحال آپ توجہ الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کوشاں رہیں، خواہ ذات محضہ کی طرف

یا باعتبار صفتہ من صفاتہ الکاملہ ۔ اور "الذین ھم علیٰ صلوٰتھم دائمون" کا حال قائم رکھیں انسان کے اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے مگر انسان کا فریضہ ہے کہ نقائص کے ازالہ میں کوشاں رہے اور ایاک نستعین ہر نماز میں اخلاص سے کہتا رہے ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں دعا میں: ما عرفناک حق معرفتک ولا عبدناک حق عبادتک اوکما قال (نہ ہم تجھکو پوری طرح پہچان سکے اور نہ جسطرح تیری عبادت کرنی چاہئے اس کا حق ادا کر سکے)۔ غرض اپنی طرف سے جد و جہد اعمال کی تتمیم و اخلاص کی تکمیل ہمیشہ جاری رہنی چاہئے اور قبولیت کی امید رکھتے ہوئے ہر وقت خائف من غضبہ تعالیٰ بھی رہنا ضروری ہے ۔ الایمان بین الخوف والرجاء" ۹۷۸

دل میں اس کیفیت کے پیدا ہونے اور اللہ کے لئے جینے اور زندگی بسر کرنے کا نام تصوف ہے ۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے تمام جد و جہد، مجاہدے اور تزکیۂ نفس اور ذکر و شغل کے سلسلے ہیں ۔ لیکن ممکن تھا کہ ظاہری اعمال اور دکھاوے کے اوراد و اشغال کو منتہائے کمال سمجھ لیا جاتا اور اوپری زندگی کو مدار نجات اور حاصل حیات تصور کیا جاتا، مگر حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد عالی نے اس غیر اسلامی اور منافقانہ دینداری کے امتیاز کرنے کا ایک طریقہ اور اندرونی پہچان بیان فرما دی ہے، جسکے ذریعے سے ہر چھوٹے سے چھوٹا عامی مسلمان اور بڑے سے بڑا عالم فاضل اور شیخ اپنے اندر میں چھپا ہوا حال معلوم کر سکتا ہے ۔ ارشاد فرمایا:-

"الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب" ۹۷۹	بے شک بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ سنورا تو تمام جسم سنورا، اور جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑ گیا ۔ اور یاد رکھو وہ قلب ہے ۔

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کے اعمال اور جسم کے بناؤ اور بگاڑ کا دارومدار قلب پر ہے اور تصحیح قلب کی مایہ اس وقت حاصل ہو گی جب ارشاد

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

"انما الاعمال بالنیات"

کی معرفت حاصل ہو اور آدمی کا اندرون یعنی قلب صحیح ہو اور خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی خوشی و ناخوشی کے خیال سے پوری طرح پاک و صاف ہو۔ جب قلب غیر خدا کے خیال سے خالی اور فارغ ہو جائے گا تو جسم کے تمام اعضاء درست ہو جائیں گے۔ تصحیح نیت ہی در اصل تصوف کی جان ہے۔ دل کی نیت ٹھیک ہو تو بدن سے نکلنے والے اعمال خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان کے ہاتھ غلط کاموں کے کرنے سے، پاؤں غلط طرف چلنے سے، نگاہ غلط دیکھنے سے، کان گناہ کی بات سننے سے، زبان غلط غذا چکھنے سے غرضیکہ پورا جسم غلط کاموں کے کرنے سے اور دل و دماغ غلط خیالات سے مبرا ہو جائیں گے۔ اسطرح ظاہری اعمال اور معاملات خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے جسکے نتیجے میں اخلاق و معاشیات بھی صحیح ہو جائیں گے۔ اور جب اخلاق، معاملات و معاشیات سب اچھے بن جائیں گے تو معاشرہ میں یہ خوبیاں رواج پائیں گی اور چراغ سے چراغ جلتے رہینگے اچھے افراد سے ہی اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور انسانوں میں خدا شناسی، مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی، راست گوئی و پاکبازی، امانت و دیانت، عدالت و شجاعت، ایثار و رحمت کی اعلیٰ اقدار پروان چڑھتی ہیں اور انسانیت کے دکھوں کی تلافی اور کمزوروں اور ستم رسیدہ لوگوں کی دادرسی اور ظلم و ستم، جبر و استبداد اور استحصال کا خاتمہ ہو کر مساوات و حریت اور راحت و خوش حالی کا دور دورہ ہوتا ہے۔

لیکن اگر قلب کی اصلاح نہیں ہوئی اور وہ غیر اللہ کی خوشی و ناخوشی، اسکے فائدے اور نقصان کے غلط تصور میں الجھا رہا تو اس کے اثرات ظاہری اعمال پر مرتب ہونگے اور آدمی کے معاملات، اخلاق و عادات، افکار و کردار پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ اور اس طرح پورا معاشرہ خراب ہوتا ہے اور فضا مسموم بن جاتی ہے۔ پھر انسانوں میں بری عادتیں اور خراب اخلاق پیدا ہوتے ہیں، خود غرضی، غرور و حسد، کینہ، بخل، کذب و افتراء

خیانت، طمع، ظلم و استحصال، فحاشی و عصبیت جیسی خصلتیں اور خراب خیالات انسانی معاشرے کو دوزخ کا نمونہ بنا دیتے ہیں۔ شروع شروع میں اس کا دل بھی ملامت کرتا ہے لیکن جب انسان توبہ نہیں کرتا اور غلط اعمال پر جما رہتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر اچھی بات دل پر اثر نہیں کرتی۔ اللہ ہی محض اپنے فضل و کرم سے ہمارے دلوں کی حفاظت فرمائے اور انہیں مردہ ہونے سے بچائے رکھے آمین!

دلِ مردہ، دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے ملتوں کے مرضِ کہن کا چارہ۔ اقبالؒ

دل کی اس کیفیت اور اوپر گذری ہوئی حالت میں اعمال کی عارفانہ تشریح و تفسیر امام محمد غزالیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف کیمیائے سعادت میں اسطرح تحریر فرمائی ہے:-

"واضح ہو کہ اگرچہ سب اعمال اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ مگر اصلی مقصود یہاں دل کا پھرنا ہے کیونکہ یہی دل ہے کہ اس عالم کا سفر کرے گا، اسلئے چاہیئے کہ جمال و کمال سے آراستہ ہو تاکہ درگاہ ذوالجلال کی باریابی کے لائق ہو اور مثل آئینہ صاف و شفاف، بے زنگ ہو۔ اور اس جہان کی سلطنت کی صورتیں صاف اس میں نظر آئیں اور ایسا جمال دیکھے کہ وہ بہشت کہ جس کے اوصاف سنے ہوں اس کے مقابلہ میں ناچیز محض ہو جائے۔ اگرچہ اس عالم میں تن کو بھی راحت نصیب ہے، مگر اصل دل ہے اور تن اس کا تابع ہے۔

واضح ہو کہ دل اور چیز ہے تن اور چیز۔ کیونکہ دل عالم ملکوت سے ہے اور تن عالم شہادت سے، اور تشریح اسکی عنوان کتاب میں کھول کر بیان کی گئی ہے۔ تن اگرچہ دل سے جدا ہے، پر دل کو اس کے ساتھ ایک لگاؤ ہے۔ کیونکہ جو نیک معاملہ تن پر جاری ہوتا ہے اس سے دل کو ایک نور و سرور ضرور پہنچتا ہے۔ اور اگر کوئی بد معاملہ اس پر واقع ہوتا ہے تو دل پر اسکے سبب سے ایک ظلمت چھا جاتی ہے۔ اور وہ نور و سرور تو اسکی سعادت کا تخم ہو جاتا ہے اور ظلمت و تیرگی اسکی شقاوت کا باعث ہو جاتی ہے۔

اس علاقہ کے سبب سے انسان کو اس عالم میں لائے ہیں کہ اس تن کو آلۂ صید، اور تسخیر صفات کمال اور حسن اعمال کا کرے۔ جاننا چاہیئے کہ کتابت ایک وہ صنعت ہے جو دل کے اوصاف سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کا فعل انگلیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ خط درست ہو تو پہلے بتکلف خوش خط لکھتا ہے یہاں تک کہ اس کا دل اچھے خط کا نقش قبول کرلے، کیونکہ جب دل پر حرفوں کے نقشوں کا خیال منقش ہوگیا تو اسی وقت انگلیاں اچھے حروف لکھنے کیلئے مستعد ہوجاتی ہیں اور خوب لکھنے لگتی ہیں۔ اسیطرح نیک افعال کرتے کرتے باطن اس کا خلق نیک اخذ کرنے لگتا ہے۔ اور جب نیک خلق اسکے باطن کی صفت ہوگئی تو پھر اس کے افعال اس کے موافق پیدا ہونے لگتے ہیں۔ لہذا سب نیکیوں کی اصل نیک اعمال ہیں، اگرچہ تبکلف کئے ہوں۔ تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا باطن نیک صفات حاصل کرتا ہے اور اس کا نور پھر باہر آتا ہے اور جو نیک اعمال پہلے تکلف سے ہوتے تھے اب طبیعت اور رغبت سے کرنے لگتا ہے۔ اور اس کا بھید دل اور تن کا لگاؤ ہے کہ بدن دل میں اثر کرتا ہے اور دل بدن میں۔ اسی سبب سے جو افعال کہ دل کی غفلت سے صادر ہوتے ہیں وہ بیکار اور ناچیز ہیں کیونکہ دل تو ان سے غافل ہی ہے۔" ۸۰

جب حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ جیسے خدا رسیدہ و برگزیدہ افراد نے دیکھا کہ ماحول پر دنیاوی مفادات اور مادی منافع کی تہہ دبیز اور گہری ہوتی جارہی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین کرام اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے برپا کردہ انقلاب اور ان کی روحانی و عرفانی کیفیات سے عوام دور ہوتے جارہے ہیں اور ان پر خدا پرستی اور اخلاق انسانیت کی جگہ معاشرے کے غلط اثرات نے غلبہ حاصل کرنا شروع کردیا ہے، تو ان اکابرین عظام اور اس زمانہ کے دوسرے ممتاز ائمہ و صوفیاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایسا نظام الاوقات اور نصاب درس و تزکیہ مرتب کیا جس کے ذریعہ سے آلودہ ماحول میں دل کا میل اور زنگ دور کیا جاسکے اور دل میں اللہ کی محبت اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات موجزن کئے جاسکیں۔ خلق خدا سے محبت اور اعلیٰ اخلاق کا پیدا ہونا اسکا لازمی اثر ہے۔

اس لقاب کے ذریعے سے، جسے علماء متاخرین نے تصوف اور سلوک کے نام سے موسوم کیا ہے، تعلق مع اللہ پیدا کرنے اور مخلوق خدا کیلئے اپنی ذات کو باعث رحمت بنانے کی جد وجہد کی جاتی ہے۔ یہی انداز فکر اور طریق کار تصوف و تزکیہ نفس کے مروج و معمول طریقوں اور خانقاہوں کے نظام کی اساس ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ نے اس نظام تصوف کے جواز اور اسکی ضرورت و اہمیت کا بیان اسطرح فرمایا ہے:

"باید دانست کہ یکے از نعم خدائے تعالیٰ بر امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات آنست کہ ارتباط در سلسلہ ہائے ایشاں تا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و ثابت است، اگرچہ اوائل امت را با اواخر امت در بعضے امور اختلاف بودہ باشد۔

پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت و تعلیم و تادب بآداب تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت، و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت، و ارتباط سلسلۂ بہمہ ایں امور محقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند۔ و خرقہ و بیعت را اصلے ہست از سنت سنیہ۔

اما خرقہ پس اصلش لباس آنحضرت است، صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عمامہ را بہ عبدالرحمن ابن عوف در وقتیکہ امیر لشکر گردانید۔ و اما بیعت پس وجود آں و اعتبار بآں از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مستفیض یقینی است کما لا یخفی۔ و علمائے کرام ارتباط ایشاں در زمن اول باستماع احادیث و حفظ آں در وعاء قلب بود، بعد ازاں تصنیف کتب و قراءۃ و مناولہ و اجازت و وجادۃ آں پیدا شد۔ و ارتباط سلسلہ بہمہ ایں امور صحیح است، و اختلاف صور را اثرے نیست۔ و ہر یکے ازیں امور اصلے دارد، از سنت سنیہ۔

اما قراءت، پس اصلش قراءۃ عبداللہ بن مسعود است و سوال اعرابی، و مناولہ اصلش کتابت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم است، باطراف بلدان و مناولہ صحیفہ با عبداللہ بن جحش و ہم چنیں اجازت و وجادہ را اصول است کہ در کتب حدیث مبین می شود۔" [81]

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس امت محمدی پر ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سلسلوں کا ربط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحیح و ثابت ہے۔ اگرچہ بعض امور میں اوائل امت اور اواخر امت کا اختلاف ہوا ہو، پس صوفیہ صافیہ جو اول زمانے میں ہوتے تھے تو ان کا ارتباط صحبت اور تعلیم اور نفس کی تہذیب کے آداب سے مودب ہونے سے تھا۔ اس وقت خرقہ اور بیعت نہ تھی اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے زمانے میں خرقہ کی رسم ظاہر ہوئی اور اس کے بعد میں بیعت کا دستور جاری ہوا۔

اور ارتباط ان امور کے سلسلہ روشن کا ثابت ہے اور ربط کی صورتیں جو مختلف ہیں ان سے کچھ نقصان نہیں اور خرقہ اور بیعت کی اصل سنت اور اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ خرقہ کی اصل تو لباس عمامہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو عطا فرمایا تھا جب ان کو امیر لشکر کیا تھا۔ اور بیعت کی اصل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہے اور متواتر یقینی ہے کچھ چھپی ہوئی نہیں ہے۔

پس زمانہ اول میں علمائے کرام کا ارتباط حدیثیں سننے اور ان کو اپنے دل میں محفوظ کرنا تھا۔ بعد اس کے کتابیں تصنیف ہوئیں اور قراءۃ اور مناولہ اور اجازت اور وجادت جاری ہوئی۔ اور سلسلوں کا ارتباط ان سب امور میں صحیح ہے۔ اور صورتوں کے اختلاف کا اس میں کچھ حرج نہیں۔ ان سب باتوں کی سنت سنیہ میں اصل ہے۔ چنانچہ قراءۃ کی اصل تو حضرت عبداللہ بن مسعود سے، اور اعرابی کا سوال اور مناولت کی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لکھنے اطراف بلدان میں اور مناولہ صحیفہ عبداللہ بن جحش اور اسی طرح اجازت اور وجادت کی اصلیں ہیں جنکا کتب حدیث میں بیان ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اس نظام اور ان تعلیمات کا بنیادی مقصد قرآن و سنت کو مضبوط پکڑنا، اور اسپر پوری طرح عمل پیرا ہونا اور اللہ اور رسول کی محبت کو دل میں رچانا بسانا ہے۔ اسی میں جینا اور اسی میں مرنا ہے۔ یہ اصل مقصد تھا صوفیا اور مشائخ کی تعلیمات کا۔ لیکن جو لوگ اللہ اور رسول کے احکامات پر عمل

کرنے میں کوتاہی کرتے تھے، وہ حضرات صوفیا اور مشائخ کی تعلیمات وارشادات کی بھی پوری پیروی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ صوفیاء کے مقرر کردہ اصولوں میں بھی فرق آنا شروع ہوا، اور بزرگان سلف نے جو راہ عمل مقرر کی تھی اس میں بھی ترمیم و اصلاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ بعد کے دور میں مختلف اولیاء اللہ نے اس میں مناسب ترمیمیں کیں۔ ان تعلیمات و اصطلاحات کیلئے بھی روح رواں اور بنیادی مآخذ قرآن کریم اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تھیں۔ زمانہ کے تقاضوں اور لوگوں کی استعداد اور قوت احساس وعمل کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے یہ ترمیم وتبدیلی متواتر اور مسلسل ہوتی رہی۔ اس ترمیم و تجدید کے نتیجے میں تصوف کے مختلف سلاسل اور طریق معرفت کے متعدد خانوادے ظہور پذیر ہوئے۔ ان خاندانوں کی فہرست بہت طویل ہے، اس مختصر مقالہ میں ان کا تفصیلی تذکرہ ممکن نہیں ہے۔ بعد میں ہر ایک سلسلے کی مختلف شاخیں قائم ہوئیں، پھر ان کی ذیلی شاخیں وجود میں آئیں جنکی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اسطرح اصلاح وارشاد کا ایک وسیع نظام وجود میں آیا جس نے ہر دور میں، بالخصوص مسلمانوں کے سیاسی زوال کے زمانے میں، اپنے اپنے علاقوں اور زیر اثر مقامات میں مسلمانوں کو گمراہی سے بچائے رکھا اور انھیں علمی وفکری غذا بہم پہنچائی اور سخت نا مساعد حالات میں امت مرحومہ کے لئے پشتیبان کا کام انجام دیا۔

میرے شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں، جو "اکابر کا سلوک واحسان" مرتبہ محمد اقبال صاحب ہوشیارپوری میں شائع ہوا ہے، فرماتے ہیں:

"جیسے کہ امراض بدنیہ میں ہر زمانہ کے اطباء نے امراض کیلئے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں ایسے ہی اطباء روحانی نے قلوب کے زنگ کیلئے ادویہ اور علاج تجویز کئے ۔۔۔ یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواع علاج ہیں، جیسے ڈاکٹر، یونانی، ہومیوپیتھک وغیرہ اطباء بدنیہ نے تجربوں سے تجویز کئے ہیں، اسیطرح اطباء روحانی نے بھی تجربات یا قرآن وحدیث کے استنباطات سے امراض قلبیہ کے علاج تجویز کئے۔" ۸۲

تصوف کے سلاسل یوں تو بہت ہیں لیکن چار بڑے سلاسل بہت مشہور ہیں جنہیں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کہا جاتا ہے۔

۱۔ سلسلۂ قادریہ۔

اس سلسلہ کی اساس حضرت غوث الاعظم سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اور آپ کی خدمات عالیہ سے ہوئی۔ حضرت غوث پاک حسنی وحسینی سید ہیں کیونکہ آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد حضرت سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست کی طرف سے حضرت سیدنا امام حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے[۵۸۳] اور والدہ ماجدہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہؓ کی طرف سے حضرت سیدنا امام حسین بن امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی ولادت گیلان میں ہوئی جو ساحل کیسپین کے کنارے ایران میں واقع ہے۔ اسی کو جیلان بھی کہا جاتا ہے۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ موضع نشتیریہ میں ہوئی جو گیلان کے مضافات میں تھا۔ آپ کی ۴۷۱ھ میں ولادت ہوئی۔

حضرت غوث الاعظم ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لے گئے اور علم دین کی تحصیل فرمائی۔ آپ جامع شریعت وطریقت بزرگ تھے اور متبحر عالم تھے۔ آپ نے اپنے آپ کو ارشاد وہدایت درس وتدریس، افتاء، اعلائے کلمۃ الحق اور اصلاح خلق کیلئے وقف کردیا تھا۔ آپ کی مجلس وعظ میں ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پرانوار بغداد شریف میں ہے۔

حضرت غوث پاک کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولیاء کرام میں ایک خاص فضیلت سے نوازا تھا۔ آپ کی حیات مبارکہ میں ہی عوام وخواص کا بے حد رجوع آپ کیطرف تھا۔ بعد میں آپ کے فرزندان گرامی اور خلفاء نے قادریہ سلسلہ کو پھیلانے کا کام انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان اور مریدان خاص نے سلسلہ کی نشر واشاعت کا کام نہایت خلوص اور عزم کے ساتھ شروع کیا۔ ان کے صاحبزادگان

بالخصوص شیخ عبدالرزاق اور شیخ عبدالعزیز نے سلسلہ کی اشاعت میں بڑی جد وجہد کی۔ سلسلے کے انتہائی عروج کا زمانہ پندرھویں صدی (عیسوی) ہے، جب اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں میں اس کے مرکز قائم ہوگئے۔ شام اور عراق میں تو سلسلہ کے مشائخ بہت پہلے پہنچ گئے تھے، ترکی میں شیخ اسمٰعیل روی (م ۱۶۴۳ء) کی کوششوں سے سلسلے کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا اور انہیں کو پیر ثانی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ کم و بیش چالیس قادری تکیے ان کی کوششوں سے قائم ہوئے۔ قادری سلسلے کی شاخیں مختلف ناموں سے یمن، سوڈان الجیریا، تیونس، مصر وغیرہ میں قائم ہوئیں اور شیخ کے افکار اور تعلیمات کو پرجوش طریقہ پر پھیلایا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ گو سلسلوں کے قیام کیلئے سب سے پہلے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے فضا ہموار کی تھی اور نہایت وسیع پیمانہ پر عوام سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن ان کے سلسلے کو باقاعدہ ایک سلسلہ کی حیثیت حاصل کرنے میں کافی مدت لگی۔" ۸۴

قادری سلسلے کے اثرات حضرات شیخ عبد القادر جیلانی کی جلالت شان، مقناطیسی محبوبیت، دلوں میں اتر جانے والے اثرات کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے میں پہنچے اور اس سلسلہ کو قبول عام حاصل ہوا اور نور ہدایت اطراف عالم میں پھیلا۔ مگر بعد میں سلسلہ سے منسلک کچھ ایسے حضرات نے غلو سے کام لیا، جو قرآن و سنت کے علوم سے تہی دامن تھے۔ خصوصاً ماضی قریب کی صدیوں میں برصغیر ہند میں جاہل اور بے عمل صوفیوں نے، جو دراصل تصوف کی حقیقت سے ناواقف تھے اور جنہوں نے بے راہ روی کو صوفیوں کا شعار سمجھ لیا تھا، سلسلۂ قادریہ کی عظمت و نیکنامی کو بٹہ لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سوڈیڑھ سو سال سے برصغیر ہند میں سلسلۂ قادریہ کی مقبولیت بہت متاثر ہوئی۔ اسکے باوجود بھی اس سلسلہ سے وابستہ ایسے اللہ والے ہمیشہ موجود رہے ہیں جنہوں نے قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور جو آج بھی سلسلۂ عالیہ قادریہ کے فیوض و برکات سے دنیا کو مستفید کر رہے ہیں۔ دراصل حضرت غوث پاک سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی دنیا کے بادشاہ ہیں اور آپ کے سلسلے کا فیض جبتک جاری رہے گا جب تک دنیا میں ایک بھی صوفی رہیگا۔ انشاءاللہ۔

۲۔ سلسلۂ چشتیہ۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے اصل بانی مبانی تو حضرت شیخ ابو اسحٰق چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اسلاف ہیں مگر اس سلسلہ کو عروج و شہرت اور مقبولیت سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری قدس سرہٗ کی ذات گرامی سے حاصل ہوئی۔ دراصل ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور ارشاد و ہدایت کا کام سب سے زیادہ اللہ کو چشتیوں سے لینا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اس وقت ہندوستان میں تشریف لائے جب کفر و شرک کے اندھیارے اس ملک پر چھائے ہوئے تھے اور اسلام کا نیّر تاباں پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا۔ حضرت خواجہ کی تشریف آوری سے یہ ظلمت کدہ روشن و منور ہوگیا اور ایمان کی ہوائیں چلنے لگیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے پیر و مرشد کا نام نامی خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہٗ ہے۔

حضرت معین الدین چشتیؒ بلا شبہ برصغیر ہند میں روحانیت کے بادشاہ ہیں۔ آپ کو ہند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب کہا جاتا ہے۔ سلطان الہند آپ کا لقب ہے۔

سلطان الہند کے فیض تربیت سے حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت تیار ہوئی، جنکے فیض صحبت سے حضرت خواجہ بابا فرید الدین مسعود گنجشکرؒ کی پاکیزہ شخصیت بنی، حضرت بابا فرید کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی اور حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے مستقل سلسلے چلے اور اسطرح سلسلۂ چشتیہ دو سلسلوں میں تقسیم ہوگیا یعنی سلسلۂ چشتیہ نظامیہ اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ۔ ان دونوں سلاسل کے صوفیہ اور مشائخ عظام کی بدولت عشق الٰہی کا جذب و سوز عام ہوا جو چشتیوں کی خصوصی شان ہے۔ دونوں ہی سلاسل کی بدولت معرفت کی دولت خوب بٹی اور آج بھی بٹ رہی ہے۔ ابتدائی دور میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو خوب فروغ حاصل ہوا اور اس کے مشائخ کرام نے ہندوستان کی فضاؤں کو ایمان و عرفان سے معطر کیا اور دین کی خدمت اور سلسلے کی اشاعت کا حق ادا کردیا۔ مگر بعد میں چشتیہ صابریہ سلسلے کو عروج حاصل ہوا، اور آجتک اسی کی حکمرانی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی چشتیہ صابریہ سلسلے کے ایک نیّر تاباں ہیں۔

۳۔ سلسلۂ نقشبندیہ۔

اس سلسلے کا قدیم نام سلسلہ خواجگان ہے۔ مگر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی جد و جہد اور سلسلے کی اشاعت کیلئے گرانقدر خدمات کی وجہ سے اس کا نام سلسلۂ نقشبندیہ ہوگیا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اتباع شریعت اور طریق سنت پر خاص زور دیا، اور فرمایا:۔

"ہمارا طریقہ عروۃ الوثقیٰ ہے، یعنی مضبوط حلقہ، جس سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار کی پیروی کرنا۔ اس طریقہ پر عمل قلیل سے بھی بہت سی فتوحات حاصل ہوتی ہیں، لیکن سنت کی پیروی میں امر عظیم یہی ہے۔ جو شخص اس طریقہ سے منہ پھیرلے اس کے دین میں خطرہ ہے۔" ۸۵

کامل اتباع سنت، اخفائے حال، ظاہری رسوم و طریقوں سے بُعد اس طریقہ کا امتیازی وصف ہے۔ اس سلسلہ کی ایک مشہور ترین شاخ سلسلۂ مجددیہ ہے جو حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض تربیت سے نکلی ہے۔ اور جس نے اتباع سنت، ترک رسومات و بدعات میں نام پایا اور احیائے سنت و طریق نبوت کے لئے صدیوں تک زبردست خدمات انجام دیں اور مشرکانہ رسوم اور غیر اسلامی تصورات و اثرات کے خلاف جہاد کو مقصد حیات اور اصل دین قرار دیا۔ لیکن افسوس کہ تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں اس سلسلہ عالیہ کے کچھ ممتاز افراد نے حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مسلک اور مشن کے خلاف ایسے طور طریقے اپنا لئے جو بدعات پر مبنی تھے چنانچہ سلسلۂ نقشبندیہ اس سے کافی متاثر ہوا۔ لیکن اللہ کی مشیت یہی ہے کہ برصغیر ہند میں اولاً چشتیوں سے اسلام کی تبلیغ کا کام لیا جائے اور بعد ازاں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے ذریعے اسلام کے چشمۂ صافی کو شرک و بدعات کے اثرات بد اور ناپاک آلائشوں سے پاک و صاف کیا جائے اور تصوف کو از سر نو قرآن و سنت کی بنیادوں پر استوار کیا جائے

چنانچہ الحمد للہ اس مبارک سلسلہ کی برکات خانوادۂ ولی اللہی اور اس کے منتسبین کے ذریعہ پوری طرح جاری وساری ہیں اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی عظمت قایم ودائم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ فکری طور سے سلسلہ مجددیہ سے وابستہ تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجدد صاحب نے تصوف کی تحریک میں ایک جان ڈالدی اور شریعت اور سنت کے اتباع پر زور دے کر غیر اسلامی عناصر کو اسلامی فکر سے علیحدہ کردیا، ان کے سلسلوں کے مشہور بزرگوں مثلاً خواجہ محمد معصومؒ، خواجہ سیف الدینؒ، شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جانجاناںؒ، شاہ غلام علیؒ نے سلسلہ کی ترویج واشاعت میں بہت کوشش کی۔ فکری اعتبار سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے مکتب خیال کے علماء ومشائخ کا تعلق مجددی سلسلہ سے زیادہ گہرا تھا۔ اگر مسلمانان ہند کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلمانوں کی روحانی زندگی کی اصلاح وتربیت کا کام بیشتر ان ہی سلسلوں نے انجام دیا۔" ۸۶

۴۔ سلسلۂ سہروردیہ۔

یہ سلسلہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردیؒ سے منسوب ہے۔ آپ کی ولادت ۵۳۶ھ میں سہرورد میں ہوئی جو عراق عجم کے پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ کا سلسلۂ نسب خلیفہ اول حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے خاندان کے تمام آباء واجداد خدا رسیدہ بزرگ بھی تھے اور عالم بھی۔ آپ نے اپنے چچا شیخ ضیاء الدینؒ ابو نجیب ۸۷ عبد القاہر بن عبد اللہ سے ظاہری و باطنی تعلیم حاصل کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل فرمایا۔ شیخ ضیاء الدینؒ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث، واعظ اور مرشد تھے اور عرصہ دراز تک بغداد کے مشہور مدرسۂ نظامیہ کی مسند درس و وعظ پر فائز رہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ بچپن میں ہی ان کی خدمت میں بغداد آ گئے تھے

ان کے علاوہ آپ نے اور اساتذہ سے بھی حدیث، فقہ اور علم کلام وغیرہ کی تعلیم حاصل فرمائی۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۱ھ) سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا اور ان کی توجہ اور فیض روحانی سے بھی مستفید ہوئے۔ آپ نے کئی حج کئے اور کئی سال تک حرم کعبہ میں رہے۔ اپنے عم محترم اور پیر و مرشد کی وفات کے بعد آپ نے بغداد میں انکی خانقاہ میں وعظ اور درس و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ اللہ نے آپ کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ دور دراز اسلامی ممالک سے طالبان معرفت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر منازل سلوک طے کرنے لگے۔ ہندوستان سے بھی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل فرمایا ۸۸ھ

حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی (المتوفی ۶۶۶ھ) کے ذریعے برصغیر ہند میں یہ مبارک سلسلۂ سہروردیہ پھیلا۔ آپ کے علاوہ شیخ حمید الدین ناگوری محمد بن عطاء البخاری المتوفی ۶۶۴ھ بھی ہندوستان میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے خلیفہ ہیں۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے کئی کے مخطوطات دنیا کی کئی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ آپ کی تصنیف "عوارف المعارف" عربی زبان میں تصوف کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین کی وفات ۶۳۲ھ میں بغداد میں ہوئی۔ اور وہیں مزار ہے۔

سلسلۂ سہروردیہ برصغیر ہند اور ایران و خراسان میں بہت مقبول ہوا۔ اس سلسلہ میں اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ شہاب الدینؒ اور انکے پیر و مرشد حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ نے احادیث نبوی کے ذریعے تصوف کے اصول اور اس کے اسرار و رموز کو ثابت کیا۔

حاجی صاحب کے سلاسل اربعہ

برصغیر ہند نے ان چاروں معروف سلاسل تصوف سے فیض روحانی حاصل کیا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان چاروں مبارک سلسلوں سے وابستہ تھے اور آپ کو سلاسل اربعہ میں اجازت حاصل تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو اپنے مرشد اول حضرت نصیر الدین صاحبؒ دہلوی خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق صاحبؒ سے طریقۂ نقشبندیہ میں اجازت حاصل تھی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوسرے مرشد قطب عالم شیخ المشائخ حضرت میاں بھیکو نور محمد صاحب علوی جھنجھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے مرید ہوئے اور انہوں نے آپکو چاروں سلسلوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اجازت مرحمت فرمائی۔ اسطرح حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو چاروں سلسلوں کی برکات وفیضان کا حصول ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول و مسلک کے مطابق جملہ سلاسل کی بہترین تعلیمات سے ایک ایسا عطر مجموعہ تیار فرمایا جسکی روح پرور اور دلنواز خوشبو سے پورا عالم معطر ہوگیا۔ لیکن اس مجموعے میں غالب عنصر چشتیہ صابریہ کا ہے۔ خود حضرت حاجی صاحب اپنے نام کے آگے فخریہ طور پر چشتی تحریر فرماتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے سلسلے کی جامعیت سے طالبان سلوک کو جو بے انتہا فوائد و برکات کا حصول ہوا وہ ناقابل بیان ہیں۔ یوں تو حضرت حاجی صاحب چاروں سلاسل سے منسلک ہیں لیکن آپ کے مبارک سلسلے میں چشتیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کا رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ حاجی صاحب سے وابستہ مشائخ میں چشتیہ سلسلے کی تڑپ، ذوق و شوق، سوزِ دروں، دردِ عشق، سرمستی و بیخودی بھی پائی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سلسلۂ نقشبندیہ کا وقار، ضبط اور خاموشی اور ذوق اتباع سنت بھی پایا جاتا ہے۔

سلوک و معرفت کی راہوں کو طے کرنے اور تزکیۂ نفس حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلی اور بنیادی شرط پیر کا درست و کامل ہونا یعنی اس کا صحیح الاعتقاد ہونا اور عالم باعمل ہونا ہے۔ علامہ میر عبدالواحد بلگرامیؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب سبع سنابل میں تحریر

فرماتے ہیں :-

" سلسلہ درست شرط اول است از شرائط پیری، شرط دوم از شرائط پیری آنست کہ عالم و عامل باشد بر جملہ عبادات از فرائض و واجبات و سنن و نوافل و مستحبات، و در ادائے ایں احکام قاصر و متہاون نہ بود۔" ۸۹

سلسلہ درست پیری کی شرائط میں سے پہلی شرط ہے، اور پیری کی دوسری شرط کہ عالم اور عامل ہو تمام عبادات، فرائض اور واجبات، اور سنتوں اور نوافل اور مستحبات پر، اور دین کے احکام کے ادا کرنے میں سست اور کم ہمت نہو۔

اسی پہلی شرط کو پورا کرنے اور اس کا کھرا کھوٹا پرکھنے کیلئے بزرگان سلوک شجرہ کا اہتمام رکھتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ ہم یہاں حضرت حاجی صاحب کے مفصل شجرہ طریقت کا ذکر کریں تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت حاجی صاحب کس شاخ زریں اور سلسلۂ طلائے ناب سے پیوستہ وابستہ ہیں۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے پہلے پیر و مرشد حضرت شیخ نصیر الدین نقشبندی دہلوی معروف بہ مجاہدؒ تھے۔ ان کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل تھی۔ مکمل شجرہ مندرجہ ذیل ہے :-

شجرہ نقشبندیہ: " حضرت حاجی امداد اللہ - از حضرت شیخ نصیر الدین دہلوی - از حضرت شاہ محمد آفاق - از حضرت خواجہ ضیاء اللہ - از خواجہ شاہ محمد زبیر - از حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند - از حضرت خواجہ محمد معصوم، از حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبد الاحد فاروقی سرہندی - از حضرت خواجہ باقی باللہ - از حضرت خواجہ محمد امکنگی - از حضرت خواجہ درویش محمد - از حضرت خواجہ محمد زاہد - از حضرت خواجہ عبید اللہ احرار - از حضرت شیخ یعقوب چرخی - از

حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند۔ از حضرت خواجہ امیر کلاں۔ از حضرت سماسی۔ از حضرت خواجہ عزیزان علی رامتینی۔ از حضرت خواجہ محمود الانجیر فغنوی۔ از حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری۔ از حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی۔ از حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی۔ از حضرت ابو علی فارمدی۔ از حضرت ابو الحسن خرقانی۔ از حضرت بایزید بسطامی۔ از حضرت جعفر صادق۔ از حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، از حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔ از حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ از حضرت سید الکونین سرور اولین و آخرین فخر کائنات و موجودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔" ۹۰

یہ تو حضرت حاجی صاحب کا سلسلہ اسلاف خاندان نقشبندیہ تھا۔ جس میں آخر تک بلا تخلف اسی خاندان کے مشائخ کرام ہیں۔ اور ان سب اکابرین کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعلیمات و طریق کا بنیادی نکتہ وہی ہے جو نقشبندیت سے موسوم ہے۔ ہماری مراد اکابرین سے حضرات قرن اول نہیں ہیں بلکہ اس کو حضرت بہاء الدین نقشبند سے موسوم بہ نقشبندیت کہنا صحیح ہے۔ جسکی تفصیل گذشتہ سطور میں آچکی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا سلسلۂ اجازت اس طرح ہے:۔

"حاجی امداد اللہ"۔ از حضرت حافظ میاں جیو نور محمد چشتی، نقشبندی لوہاروی جھنجھانوی"۔ از حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی"۔ از حضرت شاہ عبدالعزیز"۔ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ از حضرت شیخ عبدالرحیم"۔ از حضرت شاہ سید عبداللہ"۔ از حضرت سید آدم بنوری"۔ از حضرت مجدد الف ثانی"۔ از حضرت خواجہ باقی باللہ"۔" ۹۱

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی اجازت اپنے مرشد ثانی حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانوی سے ہی حاصل تھی۔ میاں جیو صاحب کا ذوق معرفت چشتیت سے بہت مانوس، متاثر اور قریب تھا۔ اور آخر تک حضرت حاجی صاحب پر اور بعد میں انکے خلفائے کرام پر یہی نسبت غالب اور کارفرما رہی۔ اس سلسلے کا شجرہ اس طرح ہے:۔

شجرہ چشتیہ صابریہ:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ۔ از حضرت میاں بخیو نور محمدؒ چشتیؒ، از حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ۔ از حضرت شیخ عبدالباری امروہویؒ از حضرت شاہ عبدالہادیؒ۔ از حضرت شاہ عضدالدینؒ۔ از شاہ محمد مکیؒ۔ از شاہ محمدیؒ۔ از شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، از شیخ ابو سعیدؒ۔ از شیخ نظام الدین بلخیؒ۔ از شیخ جلال الدین تھانیسریؒ۔ از قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ۔ از شیخ محمد عارف ردولویؒ از شیخ احمد عارف ردولویؒ از شیخ عبدالحق ردولویؒ از شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتیؒ۔ از شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ۔ از شیخ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ۔ از شیخ فریدالدین گنجشکرؒ۔ از خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ از خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیریؒ سلطان الہند۔ از حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ۔ از خواجہ حاجی شریف زندنیؒ۔ از خواجہ مودود چشتیؒ از خواجہ ابو یوسف چشتیؒ۔ از خواجہ ابو محمد محتشم چشتیؒ۔ از خواجہ ابی احمد ابدال چشتیؒ۔ از خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ۔ از خواجہ ممشاد علوی دینوریؒ۔ از خواجہ امین الدین ابو ہبیرہ بصریؒ۔ از حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ۔ از حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن ادہمؒ۔ از حضرت خواجہ جمال الدین فضیل بن عیاضؒ۔ از حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ۔ از امام العارفین خواجہ حسن بصریؒ۔ از حضرت امیرالمومنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ از حضرت سیدالمرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وازواجہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما۔" ۹۲

حضرت حاجی صاحب ... اس پور ... سلسلے کو ورد اور معمول میں رکھنے

کے لئے نظم فرما دیا تھا جس سے حضرت حاجی صاحب کا اس سلسلۂ عالیہ سے بے حد تعلق اور دلی محبت ظاہر ہو رہی ہے ۔ بعد میں حاجی صاحب کے متوسلین، حضرت رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے محبین نے ان حضرات کے ناموں کو اس نظم میں شامل کرنے کیلئے مزید اشعار کا اضافہ کیا ۔ پھر ان کے خلفاء کے اسماء گرامی کی نسبت سے بھی بند اضافہ کئے گئے جو ان خانوادوں میں مروج و معمول ہیں ۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے نورانی سلسلے میں حضرات نقشبندیہ کا ذوق اتباع سنت، اخفائے حال، خدمت خلق اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کا عشقیہ شوق و وارفتگی، سوز درون، بے تابی و بے قراری اور والہانہ انداز جمع ہو گئے تھے ۔ اور حضرت حاجی صاحب کی ذات بابرکات مجمع کمالات، مرجع خلائق اور منتہائے سلوک و معرفت ہو گئی ۔ حضرات علماء و مشائخ نے ان کے فیض روحانی و تربیت نورانی سے خوب خوب استفادہ حاصل کیا اور پھر پورے عالم میں علم کی دولت لٹائی اور معرفت الٰہی کی چاشنی بانٹی ۔ حاجی صاحب کے فیوض باطنی کے چشموں نے عشق و محبت کی وادیوں کو سرسبز و شاداب کر دیا اور ان کے شعلۂ عشق نے جانے کتنے اہل دل حضرات کے خرمن ہستی کو پھونک ڈالا ۔ الحمد للہ یہ فیضان آج بھی جاری ہے ۔ کثر اللہ امثالہم ۔

اس دور میں تو سلسلۂ امدادیہ سب سے وسیع اور عظیم سلسلۂ رشد و ہدایت ہو گیا ہے ۔ اس وقت ہند و پاکستان میں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ صابریہ، سب کی بہار اسی کے دم سے قائم اور تمام سرگرم و فعال خانقاہیں، مدارس و ادارے اسی رشتۂ امداد اللہی سے منسلک اور مربوط ہیں ۔ اس ذیل میں پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کی رائے عالی قابل اعادہ ہے ۔ نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" باطنی اصلاح و تربیت کے لئے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حاجی صاحب کے خلیفہ تھے، نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبے کی مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف

گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ دوسرے بزرگ جن کی تحریک کو بہت وسعت اور گہرائی حاصل ہوئی، مولانا محمد الیاسؒ تھے۔ وہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مُرید تھے۔ جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اسکی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو انہوں نے جسطرح جذب کیا تھا وہ اس دور کے بہت کم بزرگوں کو میسّر آیا" ۹۴

اس بحث کا اختتام کرتے ہوئے ایک غلطی پر توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ بعض اہل علم اصحاب قلم نے نقل کیا ہے :-

"حضرت حاجی صاحبؒ کو بہت کم سنی میں بیعت تبرک حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی تھی۔" ۹۵

مگر یہ اطلاع درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحب کی ولادت صفر ۱۲۳۳ھ کی ہے اور حضرت سید احمد شہیدؒ نے مغربی یوپی کے اضلاع سہارنپور، مظفر نگر وغیرہ کا سفر ذیقعد ۱۲۳۳ھ میں شروع فرمایا۔ تقریباً چھ مہینے اس سفر میں لگے۔ اس دوران تھانہ بھون، لوہاری اور نانوتہ وغیرہ کا بھی سفر ہوا تھا۔ ۹۶ مگر اس دوران حضرت حاجی صاحب کے بیعت ہونیکی کوئی روایت کسی تذکرہ نگار نے نقل نہیں کی۔ ویسے اس کم سنی میں بیعت ممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت حضرت حاجی صاحب کے کسی بزرگ نے حاجی صاحب کو حضرت سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا ہو مگر روایات سے اس قیاس کی تائید کہیں نہیں ملتی۔ محترم فاروقی صاحب نے اسکے لئے شمائم امدادیہ ص ۵۳ کا حوالہ درج کیا ہے۔ مگر شمائم امدادیہ میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ شمائم امدادیہ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ اور مطبوعہ لکھنؤ جدید بدون سنہ طباعت ہمارے سامنے ہیں۔ اول الذکر میں حضرت سید احمد شہید کا ان مقامات پر تذکرہ ہے۔ ص ۹۸، ص ۱۱۸، ص ۱۴۸ و ص ۲۲۳۔ مگر ان مقامات پر کہیں بھی سید صاحب سے بیعت کا تذکرہ نہیں ہے۔

ہاں شمائم کے آخر میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ہے کہ بیعت باطنی پہلے ہے اور ظاہری اسی روز ہے یا ایک دو روز بعد۔ باطنی بیعت کے بارے میں آپنے فرمایا کہ میں نے دیکھا حضرت سیدؒ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کے حضور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں دیدیا۔ ۹۷ اسکے بعد ہی حاجی صاحبؒ اپنے پہلے مرشد

حضرت شاہ نصیر الدین نقشبندی دہلویؒ سے مرید ہوئے اور انہوں نے حاجی صاحبؒ کو طریقۂ نقشبندیہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے مختلف سلاسل کو جناب ڈاکٹر ماجد علی خان صاحب نے اپنے اردو رسالے "السلسلات امدادیہ" میں جمع کیا ہے۔ اس رسالے میں حضرت حاجی صاحب کے تمام شجروں کی تفصیل ہے نیز منظوم شجرے بھی جمع کئے ہیں۔

باب پنجم

اذکار و اوراد : ارشاد و ہدایت کے ذرائع

تلاش مرشد اور بیعت کے بعد اذکار و اشغال اوراد و مراقبات وغیرہ کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ ان اشغال اور مجاہدات و ریاضات کی تجویز شیخ کامل کی صوابدید اور مسترشدین کے احوال و کیفیات پر مبنی ہوتی ہے۔ شیخ ہمیشہ اپنے مریدوں کی صلاحیتوں، قلبی کیفیات اور احوال کو مدنظر رکھتا ہے اور ہر ایک کو اسکی استعداد اور ظرف کے مطابق ذکر و شغل بتاتا ہے۔ جسطرح ایک حاذق طبیب جسمانی امراض کا علاج کرتے ہوئے مریض کے عوارض اور مزاج کا خیال رکھتا ہے اور اسی کے لحاظ سے دوائیں تجویز کرتا ہے اسیطرح طبیب روحانی یعنی شیخ بھی اپنے مرید کے روحانی امراض کا لحاظ رکھتے ہوئے اسکی طبیعت کی مناسبت سے اذکار و اشغال اور مجاہدات وغیرہ تجویز کرتا ہے۔ دراصل مقصد ان سب اذکار و اشغال، اوراد و مراقبات، مجاہدات و ریاضات کا ایک ہی ہے، کہ آدمی کا تزکیہ ہو اور باطن کی صفائی کے ساتھ ساتھ اللہ سے تعلق اور محبت پیدا ہو۔

دراصل صوفیاء کرام جو ذکر کی تاکید کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم کی پیروی ہے کیونکہ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ کے ذکر کی تاکید ہے۔ صبح و شام، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کے ذکر کرنے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ احادیث میں بھی ذکر کی فضیلت وارد ہے۔

چنانچہ راہ سلوک میں پہلا سبق محبوب حقیقی کا نام ورد زبان کرنا ہے۔ اسماء حسنیٰ میں سے کوئی اسم یا اسم ذات "اللہ" کا ورد مختلف تعداد و مقدار میں بتایا جاتا ہے۔ اللہ کے ذکر کی کثرت سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب اللہ کی محبت دل میں جا گزیں ہو جائے تو پھر احکامات الٰہیہ پر عمل کرنا اور گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اور آدمی کا باطن اور اندرون صاف و پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث پاک میں "لا الٰہ الا اللہ" کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اکثر مشائخ اس کے ذکر کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے اس ذکر کے بارے میں حضرات چشتیہ کے معمول بارہ تسبیحوں کا طریقہ اسطرح بیان فرمایا ہے :-

" اذکار اور اشغال اور مراقبات جو بزرگان طریقت نے تصفیہ قلب اور تجلیہ روح کے واسطے تجویز کئے ہیں، ان میں سے بارہ تسبیح ہیں، جو حضرات چشتیہ کرتے ہیں۔ طریق ان کا یہ ہے کہ بعد نماز تہجد کے توبہ اور استغفار عجز اور انکسار سے کرکے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب اللہم طہر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابداً یا اللہ یا اللہ یا اللہ تین بار یا سات مرتبہ تکرار کرے۔ اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کے چار زانو بیٹھے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو کہ بائیں زانو کے اندر ہے محکم پکڑے اور کمر کو سیدھی رکھے۔ پھر دل جمعی سے ہیبت اور حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے بعد اعوذ و بسم اللہ کے باخلاص تمام تین بار کلمہ طیب اور ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ کے سر کو قلب کی طرف کہ زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے، جھکا کے کلمہ لا کو قوت اور سختی سے دل کے اندر کھینچے اور الٰہ کو داہنے مونڈھے پر لیجا کر سر کو پشت کی طرف مائل کرکے تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پس پشت ڈالدیا اور دم کو توڑ کر لفظ الا اللہ کی زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا۔ اسیطرح اس نفی اثبات کو فکر اور ملاحظے اور واسطے کے ساتھ دو سو بار کہے۔ اور اس ذکر میں نو بار لا الٰہ الا اللہ اور دسویں بار محمد رسول اللہ کہے۔ بعد اسکے بطور سابق تین مرتبہ کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت کہے۔ لیکن مبتدی کلمہ لا الٰہ میں لا معبود اور متوسط لا مقصود اور منتہی لا موجود ملاحظہ کرے۔ اسکے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب ہو کے تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے"۔ ۹۸

مندرجہ بالا ذکر کا طریقہ ذکر بارہ تسبیحات کہلاتا ہے جو حضرات چشتیہ کا معمول ہے۔ لیکن اس

طریقے سے ذکر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ذاکر باقاعدہ کسی شیخ طریقت سے بیعت ہو اور اسی کی زیر نگرانی ذکر میں مشغول ہو تاکہ جو احوال و کیفیات واقع ہوں ان کے مطابق طریقۂ ذکر میں رد و بدل اور کمی بیشی شیخ کر سکے۔ کیونکہ شیخ کو راہ سلوک کے نشیب و فراز اور رکاوٹوں سے واقفیت ہوتی ہے۔ بغیر کسی مرشد کے اذکار و اشغال کے خصوصی طریقوں کو اختیار نہیں کرنا چاہیے ورنہ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے نقصان کا خدشہ ہے۔ جیسے دوائیں بغیر طبیب کے استعمال نہیں کرنی چاہئیں ورنہ الرجی اور ردعمل کا ڈر رہتا ہے۔ روحانی امراض اور اذکار و اشغال کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

ان اذکار میں جو صوفیہ کے یہاں معمول و مروج ہیں اور عام اذکار و اوراد میں ایک لطیف فرق ہے۔ تلاوت قرآن پاک، اذکار و ادعیہ مسنونہ و ماثورہ، استغفار، درود شریف وغیرہ ہر مسلمان بغیر کسی پیر کی رہنمائی کے کر سکتا ہے۔ احادیث شریف میں جو اذکار و اوراد مذکور ہیں وہ عمومی ہیں اور ان کا نفع عام ہے۔ اسیطرح قرآن پاک کی دعائیں بھی بغیر کسی خاص ترتیب کے پڑھی جا سکتی ہیں اور قبول ہوتی ہیں۔ لیکن صوفیہ کے اذکار و اشغال کا فائدہ جب ہی ہوتا ہے جب اسے مخصوص طریقے سے مقررہ تعداد میں پڑھا جائے۔ اور اس مخصوص طریقے میں چونکہ احوال و کیفیات کا ظہور بھی ہوتا ہے لہذا اس کورس کی کامیابی کیلئے مستقل نگرانی کی ضرورت پڑتی ہے جو صرف شیخ طریقت ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ کبھی کبھی ذاکر ذاتی احوال و کیفیات سے عجب و پندار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ذکر کے انوار سے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے اور راہ سلوک میں یہ چیز نہایت مہلک ہے۔ وصول الی اللہ کا راستہ تو عبدیت اور عاجزی و انکساری اور خود کو مٹا دینے کے جذبات کے ساتھ ہی طے ہوتا ہے۔ یہاں انا کا قطعی گذر نہیں۔ جہاں اپنے آپ کو کچھ سمجھا اور گہرے کھڈ میں گرے۔ اللہ راقم الحروف اور اسکے متعلقین کو بھی عجب و پندار اور کبر سے محفوظ رکھے۔ آمین!

ذکر شروع کرنے سے پہلے ذکر کی حقیقت، مقصد اور اسکے فوائد سے واقفیت بھی نہایت ضروری ہے تاکہ ذاکر شرح صدر کے ساتھ پوری دلجمعی اور لگن سے ذکر میں مشغول ہو۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ذکر کی تعریف، اسکے اقسام اور فوائد و ثمرات پر

بھی روشنی ڈالی ہے - فرماتے ہیں :-

" بدانکہ ذکر آنرا گویند کہ بیاد الٰہی جمیع غیر اللہ را فراموش سازد، و بحضور قلب و معیت حق تعالیٰ چنانکہ فرمود " انا مع عبدی اذا ذکرنی و تحرکت بی شفتاہ و انا جلیس من ذکرنی " حاصل آید و در شب و روز بحکم " سبحوہ بکرۃ و اصیلا " بالوجہ و فکر تمام چنداں مشغول و مستغرق بذکر گردد، کہ از خود بیہوش بود و در زمرۂ " یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم " داخل شود، و ذکر حیات گردد -

و بدانکہ ذکر بر اقسام است و مقصود از ذکر حصول مذکور است بحضور قلب

پس ہر عملے و فعلے کہ ازاں حصول مطلوب است ہم ذکر است، کلمہ باشد یا نماز، یا تلاوت قرآن یا درود یا ادعیہ کہ مطابق قرآن و حدیث باشد و یا دیگر عبادات و یا عبارات دیگر کہ بملاحظہ معنی آں یافت و مطلوب است، آں ہم ذکر است - و آں حصول مذکور بے فناء ذاکر حاصل نمی شود -

پس طالب را باید کہ در ذکر اللہ سبحانہ چناں مستغرق شود کہ غیر حق و خود را فراموش سازد کہ وصول الی اللہ بدون نفی ما سوی اللہ ممکن نیست - چوں باین مرتبہ رسد، زہد و تقویٰ و توکل و عزلت و قناعت و صبر و تسلیم و رضا وغیرہ بے قصد حاصل آید، و از نتیجۂ این ذکر بر قلب ذاکر انوار تجلیات ظاہر شود کہ در ظہور آں حواس خمسہ سالک مستور گردند - نہ ذاکر ماند نہ ذکر - و ذاکر مذکور گردد - و ذکر ذکر حق شود " ۹۹

ترجمہ:-

جان لو کہ ذکر اس کا نام ہے کہ یاد الٰہی میں تمام غیر اللہ کو بھلا دے اور حضورِ قلب سے قرب و معیت حاصل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہے اور میں اسکا ساتھی ہوں جو میرا ذکر کرے "
اور رات دن اسکی تسبیح و حمد کرو صبح و شام کے حکم کی وجہ سے اپنے آپکو

ذکر میں ایسا مشغول کرے کہ اپنے آپ سے بھی غافل ہو جائے اور ان لوگوں کی فہرست میں داخل ہو جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور خدا کی یاد زندگی کا جزو بن جائے۔

اور جاننا چاہیے کہ ذکر کی کئی قسمیں ہیں اور مقصود ذکر سے وہی ہے جس کا ذکر حضور قلب سے کرتے ہیں۔ پس جس عمل یا فعل سے مطلب حاصل ہوگا وہی ذکر ہے۔ وہ کلمہ ہو نماز ہو، تلاوت قرآن ہو یا درود اور وہ دعائیں ہوں جو قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔ یا دوسری عبادات اور وہ عبارتیں ہوں جس کے معنی سے مقصود حاصل ہو۔ اور یہ نتیجہ ذکر کرنے والے کی فنائیت و بے نفسی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ پس طالب کو چاہیے کہ اللہ سبحانہ کے ذکر میں اسطرح غرق ہو جائے کہ غیر حضرت حق اور خود کو بھی بھلا دے اسلئے کہ وصول الی اللہ بغیر غیر اللہ کی نفی کے ممکن نہیں ہے۔ جب اس مرتبہ پر پہنچے گا، زہد، تقویٰ، توکل، عزلت و قناعت، صبر اور تسلیم و رضا بلا ارادے کے حاصل ہو جائیں گے۔ اور نتیجہ اس ذکر کا ذاکر کے قلب پر انوار و تجلیات کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ جس کے ظاہر ہونے سے ذکر کرنے والے کے پانچوں حواس چھپ جائیں گے نہ ذاکر رہیگا نہ ذکر، ذاکر مذکور بن جائے گا اور ذکر ذکر حق ہو جائے گا۔" ۱۰۰

ذکر کی حقیقت کے عرفان کے بعد مرید و سالک کو ہر کٹھن منزل سے گذرنا آسان ہو جاتا ہے۔ صوفیاء کرام نے ذکر دوازدہ تسبیح اور ذکر نفی و اثبات کی مختلف شکلیں ترتیب دی ہیں۔ جس میں سے جو متوسلین کیلئے مفید ہو اس پر عمل کرایا جاتا ہے۔ ذکر بارہ تسبیحات کا بیان اوپر گذر چکا اسمیں معروف و مروج طریقہ بتایا گیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ بھی اور طریقے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ارشادات ذکر نفی و اثبات کے بارے میں مندرجہ ذیل ہیں:۔

" طریق دیگر نفی و اثبات: بدانکہ در نفی خطرات جداگانہ گوشہ تفرقہ باطنی است و مقصود کلی حضوری و جمعیت است۔ پس مرشد را باید کہ لفظی کلی تلقین فرماید تا نفی خطرات یکبارگی حاصل آید۔ چنانکہ متاخرین ہمیں راہ اختیار کردہ اند یعنی کلمہ را از اندرون دل بشدت و قوت تمام برکشیدہ و اللہ را بکتف راست رسانیدہ و سر را مائل بہ پشت کردہ تصور کند کہ غیر اللہ را از دل برون آوردہ پس پشت انداختم و دم را گذاشتہ لفظ الا اللہ بزور بر دل ضرب کند و ملاحظات اینجا ہمان است کہ بیان کردہ شد و در ذکر نفی

و اثبات بہر طور کہ باشد خواہ بدون حبس یا بحبس، و خواہ در ذکر جاروب خواہ در ذکر ارادہ وغیرہ بجز ذکر حدادی مربع می نشیند و در باقی اذکار دو زانو نشستن اولیٰ است۔" ۱۰۱

ترجمہ:-

" ہر خطرہ اور ہر خیال کے علیحدہ علیحدہ نفی کرنے سے ایک گونہ باطنی تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے مرشد کو نفی کلی کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ خطرات کی بالکلیہ نفی ہو جائے۔ چنانچہ متاخرین اسی پر عمل پیرا ہیں کہ کلمہ لا الٰہ میں لا کو پوری طاقت سے کھینچ کر اور لفظ الٰہ کو داہنے بازو تک لیجا کر سر کو پیٹھ کیطرف تھوڑا سا جھکا کر یہ خیال کرے کہ میں نے غیر سے اپنے دل کو پاک کر کے اسکو پس پشت ڈال دیا اور پھر الا اللہ کی ضرب بہت زور سے دل پر لگائے اور جو ملاحظات ذکر نفی و اثبات میں پہلے بیان کئے گئے ہیں وہی یہاں بھی ملحوظ رکھے۔ اور ذکر حدادی کے سوا اور تمام ذکروں، ذکر حبس یا بغیر حبس، ذکر جاروب و ذکر ارادہ میں چار زانو بیٹھتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ باقی ذکروں میں دو زانو بیٹھنا اولیٰ ہے۔" ۱۰۲

ان اذکار کے علاوہ جن کی تفصیل گذر چکی ہے، کچھ اذکار نفی و اثبات اور بھی ہیں۔ کچھ شاذ ہیں اور کچھ کثرت سے معمول ہیں۔ نفی و اثبات کے علاوہ بھی اذکار و اشغال بہت ہیں۔ منجملہ ان اذکار کے جن کے نام اوپر گذر چکے چند اور بھی ہیں جن کا ذکر حضرت حاجی صاحب نے مفصل تحریر فرمایا ہے۔ یہ اذکار ہیں: طریق ذکر اثبات فقط، طریق ذکر اسم ذات، طریق ذکر نفی و اثبات، طریق ذکر پاس انفاس، طریق اسم ذات زبانی، طریق اسم ذات معہ ضربات، طریق دیگر، طریق چہار ضربی، طریقہ ذکر اسم ذات قلندری، طریقہ ذکر جاروب، طریقہ ذکر حدادی، طریقہ ذکر ارادہ، طریقہ دیگر ذکر ارادہ۔ یہ طریقے خصوصاً آخری چاروں طریقے نہایت دقیق و عسیر اور نہایت ہمت و مشقت کے طالب ہیں۔

اہل نظر مشائخ نے دل کی آلائشوں، کثافتوں اور کدورتوں کو دور کرنے کیلئے کس کس طرح سے ترتیبیں اور معمولات بنائے ہیں اس سے ان کی ذہانت اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب ذکر جاروب، ذکر ارادہ، ذکر حدادی اور ذکر قلندری کی تفصیلات اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

" طریق اسم ذات قلندری:- چوں سالک خواہد کہ بمقام ھُویت ای رسد، باید کہ باین ذکر مواظبت نماید، و پیوستہ در خلوت مشغول باشد، باید کہ جلسہ مربع نگاہ دارد، و سر را در میان ہر دو زانو برد، بر ناف اللہ گفتہ، سر را بر دارد، و ہر دو دست بر زانو سخت کردہ، ھُو را در خود ضرب کند، ہمیں طور ذکر گوید و مشغول باشد تا موصوف بصفات اللہ باشد۔" ۱۰۳

ترجمہ۔

" اگر سالک مقام ہُویت میں پہنچنا چاہے تو اس ذکر کی مداومت کرے اور ہمیشہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اور چار زانو بیٹھ کر، سر دونوں گھٹنوں کے درمیان لا کر ناف پر اللہ کہہ کر سر اوپر اٹھائے اور گھٹنے مضبوط پکڑے۔ اور دل پر ھُو کی ضرب لگاوے۔ اسیطرح ذکر میں مشغول رہے۔ موصوف بصفات اللہ ہو جائے گا۔" ۱۰۴

طریق ذکر جاروب۔

" بدانکہ لا الٰہ را از زانوئے چپ آغاز زدہ و سر را بر زانوئے راست آوردہ، دور تمام بکتف راست رسانیدہ و اندک سر را بجانب پشت کج کردہ ضرب الا اللہ بشدت بر دل زند و دمادم ورزش نماید، درین ذکر چار زانو بنشیند۔" ۱۰۵

ترجمہ۔

" جاننا چاہیے کہ کلمہ لا الٰہ کو بائیں گھٹنے سے شروع کرے اور سر کو دائیں گھٹنے پر لا کر پورا دورہ داہنے بازو تک پہنچا کر تھوڑا سا کمر کیطرف سر جھکا کر بہت زور سے الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے اور بہت جلد تیزی سے حرکت کرے اور اس ذکر کے دوران دو زانو بیٹھے۔" ۱۰۶

طریق ذکر حدادی۔

" بدان کہ ہمان طور دم را بزور کشیدہ و دور کلمہ لا الٰہ را بکتف راست رسانیدہ، ہر دو زانو ایستادہ شود، و ہر دو دست بر دارد و کلمہ الا اللہ را بقوت تمام بر دل ضرب زند و ہر دو دست نیز بر زانوھا بزند و بنشیند۔ چنانکہ تپک بدو دست بر آہن بقوت میزند

"ہمبرین طریق ہر بار کشد تا ذوق دست دہد۔ این ذکر از امام حدادی منقول است حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ فرمود کہ بسند این ذکر حضرت شیخ مادامت برکاتہ این فقیر را بحضور خود مشرف فرمودہ اند و چنان مشاہدہ و معائنہ گشت کہ بطاقت مردم نتواند۔ الا بفضل اللہ وعونہ" ۱۰۷

ترجمہ۔

"جاننا چاہیئے کہ اسطرح سانس کو زور سے کھینچ کر لا الٰہ کا دور دائیں کندھے تک پہنچا کر دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور کلمہ الا اللہ کو پوری طاقت سے دل پر ضرب کرے اور اسی کے ساتھ دونوں ہاتھ بھی پوری قوت سے رانوں پر مارے اور بیٹھ جائے جسطرح کہ لوہار ہتھوڑا دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر قوت سے لوہے پر مارتا ہے۔ اس طرح ہر مرتبہ کرے تاکہ لذت حاصل ہو۔ یہ ذکر حضرت امام حدادی سے منقول ہے۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ دامت برکاتہ نے اس ذکر کی اجازت سے اس فقیر کو اپنی موجودگی میں مشرف فرمایا۔ اور یہ بات معائنہ میں آئی ہے کہ یہ ذکر ہر شخص کے بس کی بات نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے" ۱۰۸

جو اوراد و اشغال اوپر گذرے ہیں یہ سلسلہ امدادیہ یا سلوک امداد کے چند مراحل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اذکار و اشغال اور اوراد و مراقبات و مجاہدات کے بہت سے طریقے ہیں جو اہل طریق کی مناسبت، صلاحیت و مزاج کے اعتبار سے بتائے جاتے ہیں۔ پھر سلاسل اربعہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کی مرکزی تعلیمات اور خصوصی نقطہائے نظر کی وجہ سے بھی اشغال و اذکار اور اوراد و مراقبات وغیرہ کی نوعیت، طریق کار اور اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے "ضیاء القلوب" اور "ارشاد مرشد" میں ان سب کی تفصیلات تحریر فرمائی ہیں۔ اس مقالہ میں ان کا مفصل تذکرہ ممکن نہیں۔

تفرقہ: ان معمولات اور اپنی اندرونی کیفیات کی وجہ سے ہر سلسلہ کے متوسلین کو فرداً فرداً کبھی کبھی حالت قبض میں بھی مبتلا ہو جانا پڑتا ہے۔ یہ حالت اندرونی بے چینی، دلی کرب و انتشار، سکون و اطمینان

کے فقدان کی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جس کو صاحب معاملہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں بعض مرتبہ ایسا حال ہوجاتا ہے کہ مسترشد و ذاکر زندگی سے مایوس ہوکر خودکشی اور اپنی ہلاکت کی تدبیر سوچنے اور ڈھونڈنے لگتا ہے۔ یہ کیفیت کسی خاص وقت یا ورد اور سلسلے کے ساتھ محدود نہیں بلکہ ہر سلسلے اور معمول کے دوران پیش آجاتی ہے۔ اس وقت مرید اور پیر دونوں کے لئے سخت امتحان و احتیاط کا موقع ہوتا ہے۔ اس وقت حقیقت شناس مرد کامل ہی اس خرخشہ سے نجات دلاسکتا ہے۔ چونکہ بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "ضیاء القلوب" پیر کامل ہے، اسلئے اس رسالہ میں اس حالت کے علاج پر بھی مستقل توجہ کی گئی ہے۔ حاجی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"بدانکہ باعث تفرقہ و تشویش خاطر بچند وجہ فرمودہ اند۔ گاہے از فساد غلبہ شوق و عشق ہم میباشد صورتش آنکہ عاشقان طالب وصال حق اند و آن حاصل نمی شود مگر بفناء طالب در ذات مطلوب و فنا موقوف است بمستی و انشراح خاطر بذات او تعالیٰ۔ چون بعضے طالبین بغلبۂ شوق و درد اشتیاق ریاضت شاقہ بر خود می نہند و نفس را یکلخت از تلذذات و مالوفات باز میدارند و جوع عطش مفرط و ترک راحت اختیار میکنند۔ این امور باعث انقباض خاطر میگردد و آن انشراح و انبساط و شوق کہ میداشتند بسبب فتور حواس مبدل بغم و پریشانی میگردد۔ علاجش مطلق العنان کردن نفس را در خواہشات مباحہ و ترک ریاضت تا آنکہ آن شوق و انشراح و مستی عود کند۔" ۱۰۹

ترجمہ:-

"تفرقہ اور پریشانیٔ طبیعت کے چند اسباب ہیں کبھی زیادتی شوق کے فساد سے، اسکی یہ صورت ہے کہ عاشق خدا کے وصل کے آرزومند ہیں اور وہ بغیر طالب کے ذات خدا میں فنا ہوئے حاصل نہیں ہوسکتا ہے اور فنا موقوف ہے مستی اور طبیعت کے سکون پر۔ جب بعض طالب شوق کی زیادتی میں بڑی بڑی ریاضتوں کا بار اپنے سر لیتے ہیں اور اپنے نفس کو یکلخت اسکی لذتوں اور خواہشوں سے روک دیتے ہیں اور بے انتہا بھوک اور پیاس اور آرام کا ترک کرنا اختیار کرلیتے ہیں تو یہ

باتیں طبیعت میں انقباض پیدا کر دیتی اور حواس کے فتور کی وجہ سے فرحت و انبساط پریشانی اور غم سے بدل جاتے ہیں۔ اسکا علاج یہ ہے کہ نفس کو اس کے مباح چیزوں کی خواہش میں خود مختار کر دے اور اس وقت ریاضت چھوڑ دے جبتک کہ شوق اور انشراح طبیعت اور مستی پھر پیدا ہو جائے۔" [110]

اسکے علاوہ تفرقوں کی مختلف کیفیت اور ان کا علاج ضیاء القلوب میں تحریر کیا گیا ہے۔ تفصیلات وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن اسباب مرض کا پہچاننا اور اسکے مطابق علاج کرنا اہل نظر اور کامل مشائخ کا ہی کام ہے۔

انسان کے قلب پر گناہوں کا خراب اثر پڑتا ہے اور حرام غذا کا بھی برا اثر ہوتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں شیطان دل پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے خطرات فاسدہ کے انسداد کیلئے بھی ذکر کا طریقہ بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:

"طریق ذکر برائے دفع خطرات فاسدہ کہ در دل بنشینند و دور نشوند:

بدانکہ صورت خناس مثل اژدھا است و خرطوم دارد۔ بر خرطوم خارہائے پر زہر دارد۔ ہرگاہ کہ از مرید قصورے واقع شود و یا طعام از ناوجہ میخورد خناس قوت گیرد و خرطوم پر زہر را برگرد دل میگرداند و آن زہر در دل او اثر میکند و سیاہی پیدا می آید۔ پس چون مرید بعد توبہ و استغفار بپاس انفاس بذکر جلی و خفی مشغول میشود خناس ضعیف میگردد و دل صفائی پذیرد۔" [111]

ترجمہ:-

"شیطان کی صورت بالکل اژدھے کی ہے اور اس کا پھن بہت سخت زہریلا اور خاردار ہے۔ جس وقت مرید کوئی گناہ کرتا ہے یا کوئی حرام چیز کھاتا ہے تو اس (شیطان) کی قوت اور زاید ہو جاتی ہے اور اپنے پھن کو دل کے اطراف میں گھماتا ہے۔ جس سے اسکا زہر قلب میں اثر کر جاتا ہے اور تاریکی اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب مرید گناہوں سے توبہ کر کے پاس انفاس میں مشغول ہو جاتا ہے (اور ذکر جلی و خفی کرتا ہے) تو شیطان ضعیف ہو جاتا ہے اور قلب میں نورانیت اور صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔" [112]

سالک طریقت جب ان راستوں سے پار ہوجاتا ہے تو اسپر ذکر و اذکار کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں۔ مگر یہ آثار کبھی نورانی اور پسندیدہ ہوتے ہیں اور کبھی نفس و شیطان کا فریب بھی اس میں شامل ہوجاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت باریک خط فاصل ہے جسکی شناخت آسان نہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے اس سے بھی صرف نظر نہیں فرمایا ہے۔ "ضیاء القلوب" میں اس پر بھی گفتگو کی ہے۔ ان آثار اور انوار کی کیفیت، ان کی اقسام اور تفصیلات، اور اچھے اور برے آثار کا فرق وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ انوار الٰہی، نور ملائکہ، نور محمدیؐ، دل اور روح کے انوار، اور تجلیات نورانی کی مختلف صورتوں کے علاوہ مناسد ابلیس اور شیطانی دھوکہ کا بھی بیان فرمایا ہے جو وہ گمراہ کرنے کیلئے اور عجب و غرور پیدا کرنے کیلئے نورانی بھیس میں پیش کرتا ہے۔ اسطرح حاجی صاحب نے انوار و آثار محمودہ و غیر محمودہ کی پوری تفصیل بیان کی ہے اور دونوں صورتوں میں سالک و ذاکر کو کیا کرنا چاہئے یہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن اصل مقصد اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے نہ کہ کیفیت اور نور و سرور کا حصول۔ لہٰذا حاجی صاحب فرماتے ہیں:

> "پس سالک را باید کہ از انہا لذت نگیرد و در آن مشغول نشود و آنرا صنعت حق دانستہ و بر آن تیغ لا کشیدہ بشوق تمام متوجہ بسوے صانع کہ مقصود و مطلوب اوست گردد" ۱۱۳

صحبت شیخ۔

اذکار و اشغال کے ساتھ ہی صحبت شیخ کی بھی تصوف میں بڑی اہمیت ہے۔ پیر و مرشد کی تلاش میں مرید کو بہت کوشش کرنی چاہئیے۔ اس کا صحیح العقیدہ ہونا اور عالم با عمل ہونا نہایت ضروری ہے۔ جاہل اور خود ساختہ پیر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مرشد کامل وہی ہے جو شریعت و طریقت کا جامع ہو اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا متبع ہو۔ جسطرح ایک مریض اپنے آپکو حاذق طبیب کے حوالے کردیتا ہے اور اسکے بتائے ہوئے علاج اور پرہیز کی پابندی کرتا ہے، اسیطرح قابل اعتماد مرشد مل جانے کے بعد جب مرید اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیدیتا ہے تو گویا بیعت کے بعد مرید نے اپنے آپکو مرشد کے حوالے کردیا اور اپنی رائے اور اختیار کو اس کے تابع فرمان بنادیا۔

پیر کی خدمت میں رہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کسی مریض کا شفاخانے یا سینی ٹوریم میں داخل ہو جانا۔ ہسپتال میں جسمانی امراض کا علاج ہوتا ہے تو خانقاہ میں روحانی مریض ٹھیک کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سے محبت رکھنا، اسکی خدمت میں رہنا اور اسکو اپنے حالات سے باخبر رکھتے ہوئے اسکی ہدایات اور احکامات کی پیروی کرنا، مرید کی روحانی ترقی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اصل ہادی اللہ ہے لیکن عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے ذریعے سے ہی ہدایت کا کام کراتا ہے۔ چنانچہ مرید کیلئے تعلق مع اللہ پیدا کرنے کیلئے مرشد ہی ذریعہ بنتا ہے۔ شیخ کے تابع فرمان ہونے سے مرید کو اپنے اخلاقی عیوب اور اندرونی کثافتوں کو دور کرنے میں تیز رفتار ترقی حاصل ہوتی ہے اور ان احوال و کیفیات کے بعد وہ مقام آتا ہے کہ مسترشد و مرید اخلاق، اخوت و انسانیت، ہمدردی و غمگساری، محبت و اخلاص کی نسبتوں سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور تعلق مع اللہ، حضوری قلب اور ذکر دائمی کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی خدمت خلق اور مخلوق کو نفع رسانی کا جذبہ بھی دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو شیخ اپنے ایسے مریدین کو خلافت اور اجازت بیعت سے نوازتا ہے اور وہ کام جو اب تک شیخ کے ہی ذمہ تھا اب خلیفہ کو بھی سپرد کر دیا جاتا ہے۔ خلافت کا ملنا گویا منصب خدمت پر فائز ہونا ہے۔ کیونکہ شیخ کا کام اللہ کے بندوں کو اللہ کیطرف لانا اور ان کا تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کرنا ہے۔ یہ اُمّت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کیطرف لانے کا کام ہے۔

سلسلۂ امدادیہ۔ ارشاد و ہدایت کا یہ کام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن شان سے انجام دیا اسکی نظیر ماضی قریب میں ملنا مشکل ہے۔ حاجی صاحب کو بجا طور سے شیخ العرب والعجم کہا جاتا ہے۔ ان کا سلسلۂ امدادیہ درحقیقت اس دور کیلئے اللہ کی امداد ہے۔ حاجی صاحب درحقیقت اسم بامسمّٰی ہیں۔ حاجی صاحب کے خلفاء میں دارالعلوم دیوبند کے بانی حاجی عابد حسین صاحبؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ کے نام نامی نظر آتے ہیں تو ساتھ ہی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، میانجی سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور شاہ وارث حسینؒ (دیوہ شریف) جیسے جلیل القدر علماء و مشائخ کے نام بھی اس نورانی فہرست میں شامل ہیں۔

باب ششم

تصانیف:۔ ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ

حضرت حاجی صاحب نے ارشاد و ہدایت کے جو طریقے اپنائے ان میں حضرت کی تصنیفات کی بھی اہمیت ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے سلوک و تصوف کے مسائل پر متعدد تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ جس میں مثنوی مولانا رومؒ کے طرز پر مؤثر اور دلچسپ حکایات بھی ہیں اور سلوک و معرفت کی تعلیمات کا عطر بھی، اور ذکر و اشغال کے وہ تمام طریقے بھی جن کے ذریعے سے مرشدین کاملین اپنے مسترشدین و مریدین کی رہنمائی و رہبری کر سکتے ہیں اور وابستگان سلسلہ ان کتابوں کے مطالعہ سے اصلاح نفس کے طریقے اور راہ سلوک و طریقت کی منازل بخیر و عافیت طے کر سکتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کی تمام تصانیف کا موضوع و مقصد انفرادی اور اجتماعی اصلاح، تزکیۂ باطن اور معرفت الٰہی ہے۔ ان کا کلام عشق الٰہی سے بھرپور اور آتش شوق کو بھڑکانے والا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی آٹھ تصنیفات، ایک مجموعہ کلام، مثنوی مولانا رومؒ پر حاشیہ اور مکتوبات قلمی یادگار ہیں۔ تصنیفات کی تاریخی ترتیب اس طرح ہے:۔

۱۔ غذائے روح۔	مولفہ سنہ ۱۲۶۴ھ
۲۔ جہاد اکبر۔	مولفہ سنہ ۱۲۶۸ھ
۳۔ مثنوی تحفۃ العشاق۔	مولفہ سنہ ۱۲۸۱ھ
۴۔ ضیاء القلوب۔	مولفہ سنہ ۱۲۸۲ھ
۵۔ ارشاد مرشد	مولفہ سنہ ۱۲۹۳ھ
۶۔ رسالہ وحدۃ الوجود	مولفہ سنہ ۱۲۹۹ھ
۷۔ دردنامہ غمناک۔	مولفہ سنہ ھ
۸۔ فیصلہ ہفت مسئلہ	مولفہ سنہ ھ

(موخر الذکر دونوں کتابوں کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے۔)

ان سب تالیفات میں اولیت "غذائے روح" کو حاصل ہے لیکن حضرت حاجی صاحب کی اہم ترین تصنیف "ضیاء القلوب" ہے۔ جو اذکار و اشغال، مراقبات اور احوال تصوف کی مستند کتاب ہے۔ لہذا سب سے پہلے ضیاء القلوب کا تعارف تحریر کیا جاتا ہے:

۱۔ ضیاء القلوب:۔

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ ۱۲۸۲ھ میں مکہ معظمہ میں حافظ محمد یوسف خلف حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ تھانوی کی فرمائش پر تالیف ہوئی اور تاریخی نام اس کتاب کا مرغوب دل رکھا گیا۔

کتاب کی تمہید میں حضرت حاجی صاحب وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"امابعد! احقر ناچیز سراپا گناہ امداد اللہ فاروقی، چشتی، تھانوی کہ یکے از کمترین خدام و کہترین مریدان و خاکروب آستانہ حضرت ایشان اعنی جناب اقدس حقیقت آگاہ کمالات دستگاہ، صاحب الشریعۃ والطریقت بحر الحقیقت والمعرفت، ہادی دین متین، امام السالکین و پیشوائے عارفین، مکرم و معظم حضرت نور الاسلام مولانا و مرشدنا و ہادینا میاں جنیو نور محمد جھنجھانوی چشتی قدس سرہ است۔ عرض می نماید کہ بعضے از یاران طریقت خصوصاً عزیزم سعید کونین پسندیدہ

بعد حمد و صلوٰۃ کے۔ احقر ناچیز سراپا گناہ امداد اللہ فاروقی چشتی تھانوی جو کہ کمترین خدام میں سے ایک خادم اور مریدان میں سے ایک ناچیز مرید اور بے حقیقت حاضر باش ہے حضرت اقدس حقیقت آگاہ صاحب کمالات شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کے دریا، دین حق کے رہنما مکرم و معظم حضرت نور الاسلام مولانا اور مرشد و ہادی میاں جنیو نور محمد جھنجھانوی چشتی قدس سرہ کا ہے۔ عرض کرتا ہے کہ بعض روحانی سلسلہ کے دوستوں، خصوصاً میرے عزیز دونوں جہاں میں نیک بخت خوش

اخلاق حافظ محمد یوسف فرزند رشید
امام العارفین کامل اکمل حضرت
حافظ محمد ضامن شہید فاروقی چشتی
رحمۃ اللہ علیہ ملتمس شدند و باعث
بریں گردیدند کہ آنچہ اذکار و اشغال
و مراقبات خاندان عالیہ چشتیہ صابریہ
قدوسیہ معمول اند برائے مایان بقلم
آرد تا در مفارقت بعیدہ کہ بخدمت
حرمین شریفین اختیار کردہ و مایان
دور و دراز در خاک ہندوستان
افتادہ ایم، بر آن عمل کردہ آید
و آئندہ را ہم بکار آید، چون
این ہیچکارہ نالایق لیاقت
و منزلت این امر ندارد کہ
این مرتبہ شیخ کامل و مکمل
است۔ این کار را دشوار
پنداشت۔ لیکن از وفور التماس
عزیزان چارہ ندیدہ ملتجی بجناب
قدس حق تعالیٰ گردیدم۔ پس بدلم
القا شد کہ بنویس۔ زیرا کہ عادت
اللہ ہمیں جاری است کہ ہر آنچہ از
زبان و قلم شخصیکہ باو عقیدت و ارادت دارند

اخلاق حافظ محمد یوسف جو فرزند ہیں عارفین
کے امام حضرت حافظ محمد ضامن شہید فاروقی چشتی
کے، مجھ سے خواہش کی اور اسپر اصرار کیا
کہ جو کچھ اذکار، اشغال اور مراقبات
خاندان عالیہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ میں
رائج ہیں ہمارے لئے تحریر کر دیں
تاکہ تمہارے سے اس دوری کے وقت
میں جبکہ جناب نے حرمین شریفین میں
قیام کر لیا اور ہم دور دراز ہندوستان
میں پڑے ہیں ان پر عمل کر لیں۔
اور آئندہ کیلئے بھی مفید ثابت
ہو۔ چونکہ یہ ناکارہ اس بات
کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا
اسلئے کہ یہ مرتبہ شیخ کامل و مکمل
کا ہے۔ اس کام کو دشوار سمجھا
تھا۔ لیکن دوستوں کے اصرار سے
مجبور ہو کر حق تعالیٰ کے حضور
میں ملتجی ہوا تو میرے دل میں
ڈالا گیا کہ لکھو۔ اس لئے
کہ اللہ تعالیٰ کا دستور یہی
ہے کہ جو شخص کسی بزرگ کی
زبان و قلم سے عقیدت و تعلق رکھتا ہے

می برآید موثر و مفید تر می شود
اگرچہ سخنوں در کتب موجود باشد" ۵۹

اس کے قلم و زبان سے نکلی ہوئی بات
موثر اور زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ چاہے
وہ بات کتابوں میں موجود ہو۔

یہ بلند پایہ تصوف کا روحانی رسالہ چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسکی ابتداء اس گفتگو سے ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق عطا ہوتی ہے تو سالک کے دل میں ہدایت کی روشنی ڈالی جاتی ہے اور وہ روشنی اسکے دل میں سے تمام گمراہیوں اور برائیوں کو دور کر دیتی ہے اور وہ شخص گناہوں کو ترک کر کے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس وقت سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ اپنے کو کسی مرشد کامل کے حوالہ کر دے، جو شریعت و طریقت کا جامع ہو اور باطنی امراض کے علاج کیلئے قرآن و سنت کے ارشادات و ہدایات کا پابند ہو۔ کیونکہ جب تک اندرونی بیماریاں حسد، بخل، کبر، کینہ، ریاء، بغض و عداوت اور نفاق وغیرہ دل سے دور نہ ہو جائیں اور اخلاق حسنہ پیدا نہوں وصول الی اللہ کامل نہ ہوگا۔ ۶۰

پھر وصول الی اللہ کے مختلف طریقے ہیں۔ اخیار کا طریقہ، اصحاب مجاہدات و ریاضت کا طریقہ، شطاریہ طریقہ۔ پھر ان سب طرق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اسکے بعد بیعت کا طریقہ اور اذکار و اشغال اور مراقبات بہ ترتیب حضرات اہل چشت تحریر کئے ہیں۔ پھر توجہ کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ اسکے بعد دیگر مراتب کا ذکر ہے۔ پھر ذکر نفی و اثبات، ذکر اثبات فقط، ذکر اسم ذات، نفی و اثبات کا ایک طریقہ، پاس انفاس کے مختلف طریقے، ذکر اسم ذات ذاتی اور ذکر کے مختلف طریقوں کی نہایت عارفانہ و محققانہ تفصیل اور ان کے سرانجام پانے کی صورتیں لکھی ہیں۔

پھر ذکر کے اعلیٰ مراتب کا ذکر ہے جو اہل سلوک کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں

اس میں طریق حبس نفی اثبات، طریق شغل سہ پایہ، شغل سلطاناً نصیرا، شغل سلطان الاذکار کے مختلف طریقے، شغل سرمدی، شغل لباط وغیرہ کی تفصیل ہے۔ پھر مراقبات اور الواردات کا ذکر ہے۔ مراقبے کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر اسکے آثار بتائے ہیں۔ یہ پورا باب اہل چشت کے معمولات و اشغال پر مشتمل ہے۔ اور کتاب کا یہ باب اذکار و اشغال اور مراقبات سے ہی متعلق ہے۔

دوسرا باب قادریہ سلسلہ کے اوراد و اشغال کی تفصیلات پر مشتمل ہے اسمیں بھی ذکر نفی اثبات، پاس انفاس، ذکر اسم ذات، شغل برزخ اکبر، شغل اسم ذات، طریق دورہ قادریہ، مراقبات قادریہ اور مراقبات کی مختلف اقسام و کیفیات کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ بعد ازاں کشف کے مختلف طریقے بیان کئے ہیں۔

تیسرے باب میں حضرات نقشبندیہ کے اذکار و مراقبات کا ذکر ہے۔ اول استخارہ کا طریقہ، پھر لطائف ستہ اور ان کے ذکر کا طریقہ بیان کیا ہے۔ ذکر جاروب، سلطان الاذکار، نفی و اثبات وغیرہ کو سمجھا کر بیان کیا گیا ہے۔ پھر مشائخ کے تصرفات اور توجہ کی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اہل اللہ کی نسبت روحانی معلوم کرنے کا طریقہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

ضیاء القلوب کے چوتھے باب میں تلاوت قرآن پاک اور اوراد و نماز کی تفصیل مذکور ہے۔ نماز ادا کرنے کا طریقہ، استخارہ کا طریقہ۔ صبح و شام کے متفرق اعمال کی تفصیل، ختم خواجگان کے طریقے، زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ، نماز کن فیکون کی ترکیب وغیرہ بھی تحریر فرمائی ہے۔ اسکے بعد سلوک کے راستے کی رکاوٹوں کا بیان اور ان کو دور کرنے کی ترکیب ہے، چلہ کشی، خلوت گزینی کی شرائط وغیرہ بیان فرمائی ہیں۔

اخیر میں نصیحت اور وصیت آمیز کلمے حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمائے

ہیں - یہ تمام نصیحتیں تصوف کی جان ہیں اور ایمان و اخلاق کی حلاوت نصیب کرنے والی ہیں - اگر ان کو غور سے پڑھکر اسکے مطابق عمل کیا جائے تو تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن آسان ہو۔

ضیاء القلوب کے آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں، جو اس وقت زندہ تھے، تعریفی کلمات تحریر ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو اپنے ان دونوں خلفاء پر کتنا ناز تھا - حاجی صاحب نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ ان دونوں کے نور ہدایت سے دنیا کو روشن کرے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں قیامت تک ان کا فیض جاری رکھے - (آمین!)

ضیاء القلوب کے یہ الہامی الفاظ ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اپنی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں - حضرت حاجی صاحب کی دعا مقبول ہوئی اور سلسلۂ امدادیہ کا فیض روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے - اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا -

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تعریف و توصیف اور ان دونوں کیلئے دعائیہ کلمات کے ساتھ اصل کتاب ضیاء القلوب ختم ہو جاتی ہے - اس کے بعد حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے سلاسل طریقت بیان فرمائے ہیں -

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو چاروں سلسلوں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت مولانا میاں جیو نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ سے نسبت بیعت اور تعلق صحبت و اجازت اور خرقہ حاصل ہے -

نیز سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت حاجی صاحب کو بیعت اور اجازت اپنے

پہلے پیر و مرشد مولانا شیخ نصیر الدین دہلویؒ سے حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں اور انکے تمام مشائخ کی قبروں کو نور سے بھر دے اور ان کے درجات نہایت بلند فرمائے کہ ان کی برکت اور فیض تربیت سے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ جیسا شیخ مسند ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوا جن کے فیض سے آج پورا عالم منور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گناہگار راقم الحروف کو بھی سلسلۂ امدادیہ میں داخل ہونے کی برکت سے اپنے شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل میں سلسلے کے بزرگوں کی برکات و انوارات سے فیض یاب کرے اور اپنی رضا نصیب کرے۔ آمین۔

دراصل ضیاء القلوب اپنے موضوع کی بے حد اہم، نہایت مفید، جامع و مختصر کتاب ہے سلسلۂ سلوک کی تمام اہم باتیں اس میں تحریر ہیں۔ خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو اپنی اس کتاب کی اہمیت و برکت کا بخوبی احساس تھا۔ ایک مکتوب گرامی میں اپنے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبد الواحدؒ بنگالی کے نام تحریر فرماتے ہیں:-

"کدام امر ضروری نہ گزاشتہ ام	سلسلہ سلوک کی کوئی ایسی ضروری
کہ دراں نباشد۔ کتاب ضیاء القلوب	بات نہیں ہے جو اسمیں نہو۔ کتاب
مرشد کامل است۔ آنرا مرشد	ضیاء القلوب مرشد کامل ہے۔ اسکو
کامل دانستہ حرز جان خود	کامل پیر جانکر تعویذ کیطرح ہر وقت
سازند و اگر کدام جا بفہم	پاس رکھیں۔ اگر وہ کسی جگہ سے سمجھ
نیاید بذریعہ خط از من یا از	میں نہ آئے تو خط کے ذریعہ مجھ سے
مولوئین دریافت نمایند" [۶۱]	یا مولوی صاحبان سے معلوم کرلیں۔

اس خط میں مولوی صاحبان مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے لئے لکھا ہے۔ اس سے پہلے کتاب کے اخیر میں بھی یہ وصیت تحریر فرما چکے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں کی رہنمائی میں ضیاء القلوب پر عمل کیا جائے۔

ضیاء القلوب کی طباعت کا انتظام حضرت حاجی صاحبؒ کے حسب الحکم جناب

مولوی عبدالحکیمؒ برادر جناب مولوی عبدالکریم رئیس لال کورتی میرٹھ نے کیا۔ حضرت حاجی صاحب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

"و اگر مناسب دانند و در رائے آں عزیزاں آید، نسخہ ضیاء القلوب را نزد مولوی عبدالحکیم برادر شیخ الٰہی بخش ٹھیکیدار میرٹھ بفرستند کہ اوشاں طبع خواہند کنانید چراکہ خط اوشاں نزد احقر آمدہ بود، باین مضمون کہ نسخہ مذکور نزدم بفرستید حسب مرضی تو یعنی احقر طبع کنانیدہ۔ نزد مولوی محمد قاسم و مولوی رشید احمد وغیرہ خواہم فرستاد، اوشاں را اختیار است ہر کرا اہل خوانند دانست خواہند داد، اگر اس صورت ظہور کرد مولوی محمد قاسم مناسب بشرطیکہ ہیچ حرج و تکلیف نہ کرد خود میرٹھ رفتہ در پیش نظر خویش بصحت تمام مع تحشیہ وغیرہ در مطبع منشی ممتاز علی صاحب طبع کنانند۔" ۶۲

اور اگر مناسب جانیں اور تم سب عزیزوں کی رائے ہو تو نسخہ ضیاء القلوب مولوی عبدالحکیم کو جو شیخ الٰہی بخش ٹھیکیدار کے بھائی ہیں، بھیج دیں کیونکہ وہ چھپوانا چاہتے ہیں۔ ان کا خط میرے پاس آیا تھا۔ اس مضمون کا کہ نسخہ مذکور میرے پاس بھجوا دیجئے۔ جناب کے حسب مرضی چھپوا دوں چھپوا کر مولوی محمد قاسمؒ اور مولوی رشید احمدؒ وغیرہ کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ ان کو اختیار ہے جس کو اہل جانیں دے دیں اگر ایسا ہو سکے کہ مولوی محمد قاسم صاحب اگر ان کا کچھ حرج نہ ہو اور انہیں تکلیف نہ ہو تو خود میرٹھ جا کر اپنے سامنے پوری صحت اور حاشیہ وغیرہ کے اہتمام سے منشی ممتاز علی صاحب کے چھاپہ خانہ میں چھپوالیں۔

اس اہتمام والتزام سے یہ نسخہ منشی ممتاز علی صاحب کے زیر اہتمام مطبع مجتبائی میرٹھ سے ۱۲۸۴ھ میں طبع ہوا۔

ضیاء القلوب کا ایک مشہور اردو ترجمہ "تصفیۃ القلوب" ہے جو مولانا نظام الدین عشق کیرانوی اور مولوی محمد بیگ نے کیا۔ اس ترجمہ کو حاجی صاحبؒ کی اجازت حاصل تھی۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔ اسکے بعد متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ غذائے روح۔

یہ مثنوی حضرت حاجی صاحب کی سب سے پہلی تالیف ہے۔ اس میں مثنوی مولانا روم کی طرز پر اردو میں حکایات کے پیرائے میں شیطان کے وساوس، نفس کے مغالطے، جہالت کے نتائج اور مختلف واقعات کے ذریعے روحانیت و معرفت کا سبق اور نفس کی غفلت اور گناہوں کو دور کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ ۱۲۶۴ھ میں اسکی تالیف و تکمیل ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں:۔

۱۲۶۴ھ

سال ہجری بھی ہوئی جب ختم یار — یک ہزار و صد و شصت و چہار

جب ہوئی یہ مثنوی یارو تمام — رکھ دیا اس کا غذائے روح نام ۶۳

۳۔ جہاد اکبر۔

یہ تالیف بھی اردو میں ہے اور منظوم ہے اور فارسی کی کسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اسکا مقصد اور طرز بیان بھی وہی ہے جو غذائے روح کا ہے۔ اسمیں نفس و شیطان کی جنگ کا قصہ بیان کیا ہے جو وہ دونوں سلطان روح اور وزیر عقل کے خلاف اسلام کے لشکر سے لڑتے ہیں۔ اس قصہ میں اخلاق حسنہ کی برتری گناہوں اور رذیل خصلتوں پر دکھائی گئی ہے۔ یہ تالیف بھی تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کیلئے بہت مفید ہے۔ اسکی تکمیل کا سال

سنہ ۱۲۶۸ھ ہے۔ حضرت حاجی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:۔

غرض جب ہوا یہ رسالہ تمام — جہاد اکبر اسکا میں نے رکھا نام
سن و سال ہجری خیر الانام — تھے بارہ سو اڑسٹھ ہوا جب تمام [۶۴]

۴۔ مثنوی تحفۃ العشاق۔

اس مثنوی میں حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت سری سقطیؒ کی زبانی ایک کنیز حضرت تحفہ مغنیہ کا مشہور اور مؤثر قصہ نظم فرمایا ہے۔ اس اردو مثنوی میں حضرت حاجی صاحب نے عشق حقیقی کا بیان فرمایا ہے کہ کس طرح ایک حسین و جمیل اور خوش گلو کنیز حضرت تحفہ عشق الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتی ہیں، دیوانی کہلاتی ہیں، قید کی جاتی ہیں اور آخر کار اللہ کی رحمت سے آزاد ہو کر جنگل کی راہ لیتی ہیں اور بالآخر در کعبہ پر سر رکھ کر جان محبوب حقیقی پر قربان کر دیتی ہیں۔ پوری مثنوی سوز دروں اور آتش شوق بڑھانے اور بھڑکانے والی ہے اور دل پگھلا دیتی ہے۔ اسکا پڑھنا قرب الٰہی کے حصول کی ترغیب دیتا ہے۔ اور بندے کو اللہ کی محبت میں سب کچھ لٹا دینے کیطرف مائل کرتا ہے۔ پڑھنے والے کے دل پر ضرور اثر ہوتا ہے بشرطیکہ محبت و عقیدت سے پڑھی جائے۔

اس مثنوی کی تالیف حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے برادر طریقت اور جان نثار دوست حافظ ضامن شہیدؒ کے ارشاد کی تعمیل میں سنہ ۱۲۸۱ھ میں فرمائی۔ حاجی صاحب نے فرمایا:۔

بارہ سو تھے اور اکاسی سال ہجر — ہو چکا جب حضرت تحفہ کا ذکر
ہو چکی جب مثنوی تحفہ تمام — تحفۃ العشاق رکھا اس کا نام [۶۵]

اس مثنوی کے ہر ایک لفظ سے عشق الٰہی کی سرمستی ٹپکتی ہے۔ بی بی تحفہ حضرت حاجی صاحب کی زبانی فرماتی ہیں:۔

خالق کونین پر عاشق ہوں میں — مالک دارین کی شائق ہوں میں
دل دیا جس نے دیا دل اُس کو میں — آپ کو چھوڑا گئی مل اُس کو میں

اس مثنوی میں تمثیلاً بیان حرواہا موسیٰ علیہ السلام اور حکایت حضرت شیخ منصور رحمۃ اللہ علیہ بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ اسکے پڑھنے سے ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا ہے اور محبت الٰہی کا جذبہ پیدا

T. 3363

ہوتا ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کے قصے میں مثنوی تحفۃ العشاق میں حاجی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

موسیا آداب والے اور ہیں — اور سوز و تاب والے اور ہیں
سوز و غم میں کرتے ہیں عشاق راج — کان ویراں پر ہیں عشر و خراج

در اصل تصوف کا مقصد ہی اللہ کی محبت بندہ کے دل میں پیدا کرنا ہے جو ساری محبتوں اور چاہتوں پر غالب آجائے ۔ مثنوی تحفۃ العشاق یہی جذبہ عشق حقیقی کا پیدا کرتی ہے ۔ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف اہل دل ہی کر سکتے ہیں ۔

۵ ۔ درد نامہ غمناک ۔

یہ رسالہ اُردو نظم میں ہے اور در حقیقت اپنے نام کا مصداق ہے ۔ اس تالیف کے ذریعے حاجی صاحب نے اپنے جگر کا سوز اور من کی مستی اہل دل میں تقسیم فرمائی ہے ۔ اس کا ہر شعر درد میں ڈوبا ہوا ہے اور دل کی بے قراری کا ترجمان ہے ۔ پوری نظم میں سوز و گداز اور شعلۂ عشق کی تپش ہے ۔ عشق الٰہی کی بے قراری اور دیوانگی کا نقشہ حاجی صاحب اسطرح کھینچتے ہیں :-

اٹھا چھاتی میں درد عشق جبکی — اسے پھر نیند کس کی بھوک کس کی
پڑا جو غم کا لشکر دل پہ آ ٹوٹ — متاع صبر و تسکیں لے گیا لوٹ
تڑپ کر غم میں شب کو صبح کرنا — صبح سے شام تک رو، رو کے مرنا
وہ جنکی آنکھ میں خار ہجر ہووے — بھلا وہ عمر بھر کیوں کر نہ رووے
گیا سب بھول کھانا اور پینا — پڑا مشکل مجھے اب اپنا جینا
لگی کہنے مجھے خلقت دوانہ — کسی نے درد کو میرے نہ جانا
سمجھ کر مجھکو سودائی جہاں نے — کیا ٹھٹھا ہر ایک پیر و جواں نے
غرض دیوانہ مجھکو جان کر کے — ہوئے گرد آ مرے لڑکے شہر کے

میرا ایک کھیل خلقت نے بنایا　　تماشے کو بھی تو میرے نہ آیا ۶۶

غالباً اس نامہ الفت کی تالیف ۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ سے پہلے ہو چکی تھی۔ اسکی تائید حضرت حاجی صاحب کے ان الفاظ سے ہوتی ہے جو آئندہ سطور میں آ رہے ہیں۔

یہ رسالہ اسی زمانے میں مشہور اور مقبول ہو گیا تھا اور عوام و خواص اسکو پڑھتے تھے۔ یہ بات اس زمانے کی ہے جب حاجی صاحبؒ ہندوستان ہی میں تھے یعنی ۱۸۵۷ء کے جہاد سے پہلے، کیونکہ جہاد کے بعد حاجی صاحب نے روپوشی اختیار فرمالی تھی اور ہجرت فرماکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ جناب حاجی صاحب کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:۔

"فرمایا۔ میں ایک مرتبہ دہلی کے بازار میں چلا جاتا تھا، ایک عاشق مزاج کو دیکھا کہ ایک دکان پر بیٹھا ہوا بڑے ذوق و شوق سے رسالہ درد نامہ غمناک کہ مصنفہ میرا ہے، پڑھتا ہے اور اس پر کیف طاری ہے۔ میں نے کہا مجھکو قال تھا اسکو حال ہے۔

دوسرے دن پانی پت کے راستہ میں بھی ایک آدمی کو اسی حالت سے دیکھ کر میں نے پوچھا کیا پڑھتے ہو؟ وہ غصہ ہو کر کہنے لگا "اپنی راہ لو، تم کیا جانو" میں ہنسنے لگا۔ جب اسکو معلوم ہوا کہ یہ مصنف رسالہ تھے، حاضر ہو کر خطا معاف کرائی اور آمد و رفت رکھنے لگا۔" ۶۷

۶۔ رسالہ وحدت الوجود۔

توحید وجودی و شہودی تصوف کا ایک دقیق مسئلہ ہے جسمیں علماء و صوفیا کی مختلف جماعتیں سخت مباحث میں مشغول رہیں۔ ایک بڑی جماعت اس مسئلہ میں حضرت شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی کی اقتدا کرتی ہے جو بہت شدت سے وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ دوسرا گروہ جو تعداد میں تو پہلے سے کم ہے مگر اپنی علمی حیثیت

اور نفوذ و اثرات میں کم نہیں، بہت سخت الفاظ میں نظریہ وحدۃ الوجود کو رد کرتا ہے اور اسکو بالکل غیر اسلامی نظریہ قرار دیتا ہے۔ اس دوسرے گروہ کے سالار کاروان حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی ہیں۔

حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے نظریہ وحدۃ الوجود کی شدت سے تردید فرمائی ہے۔ آپ نے اس کی بجائے نظریہ وحدۃ الشہود پیش فرمایا۔ حضرت مجدد صاحب اور ان کے سلسلہ کے علماء و صوفیا کے اعتراضات اور دلائل کی وجہ سے نظریہ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں نے ان بہت سی تشریحات سے دامن چھڑا لیا جو ویدانت اور بدھ مذہب کے اثرات سے قدیم غیر محقق صوفیا میں مروج تھیں۔

حاجی صاحب نے رسالہ وحدۃ الوجود حضرت مولوی عبدالعزیز صاحب امروہوی کے ایک سوال کے جواب میں ۱۲۹۹ھ میں فارسی زبان میں تحریر فرمایا۔ حاجی صاحب کا مسلک اس سلسلہ میں یہ تھا کہ اس مسئلہ میں تصدیق قلبی و تیقن اور زبان روکے رہنا واجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"در استتار ایں مسئلہ فائدہ ہمیں کہ اسباب ثبوت ایں مسئلہ بسیار نازک و نہایت دقیق، فہم عوام بلکہ فہم علماء ظاہر کہ از اصطلاح عرفاء عاری اند قوت درک آں نمی دارد چہ علماء بلکہ صوفیاء کہ ہنوز سلوک خود تمام ناکردہ باشند و از مقام نفس گذشتہ بمرتبۂ قلب نارسیدہ ازیں مسئلہ ضرری یابند و از مکر نفس و تزلزل و لغزش پا در چاہ اباحت و قعر ضلالت

اس مسئلہ کے چھپانے میں یہ فائدہ ہے کہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے بہت نازک و نہایت دقیق ہیں۔ فہم عوام بلکہ فہم علماء ظاہر کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں قوت اسکے ادراک کی نہیں رکھتا، اور علماء کا کیا ذکر ہے بلکہ جن صوفیوں کا سلوک ہنوز ناتمام ہے اور مقام نفس سے گذر کر مرتبہ قلب تک نہیں پہنچا اس مسئلہ سے نقصان اٹھاتے ہیں اور مکر نفس و تزلزل و لغزش پا سے چاہ ضلالت و اباحت میں

سرنگوں می افتند بلکہ گروہ ہا افتادہ اند کما شہدنا ھم نعوذ باللہ من ذالک۔" ۶۸

سرنگوں ہو کر گرتے ہیں بلکہ اکثر گروہ کی گروہ گر گئے ہیں۔ کما شہدنا ھم نعوذ باللہ من ذالک۔"

۷۔ ارشاد مرشد۔

اس رسالہ کو سلوک و تصوف کے نو واردین کے لئے دستور العمل اور ضیاء القلوب کا جامع خلاصہ قرار دینا مناسب ہوگا۔ اس میں خانقاہوں کے ابتدائی معمولات۔ ذکر اسم ذات، پاس انفاس وغیرہ کے طریقے بیان کئے ہیں۔ آخر میں مختلف نصائح تحریر فرمائے ہیں جو بے حد مفید اور موثر ہیں۔ اس میں مسنون دعائیں اور احادیث میں منقول اذکار بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اذکار اور اشغال و مراقبات کا بھی مختصر مگر جامع بیان ہے۔ اسمیں بھی اخیر میں ضیاء القلوب کی طرح حاجی صاحب کے چاروں سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے شجرے تحریر فرمائے گئے ہیں۔ یہ ۱۲۹۳ھ میں تالیف ہوا۔ دراصل ارشاد مرشد ذکر و شغل اور راہ سلوک کا جامع و مختصر ابتدائی نصاب ہے۔ اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو بھی اسکی برکات و انوارات سے مستفید فرمائے آمین!

۸۔ فیصلہ ہفت مسئلہ۔

یہ چھوٹا سا رسالہ حضرت حاجی صاحب کی آخری، مختصر اور سب سے زیادہ متنازعہ تالیف ہے۔ اس میں حاجی صاحبؒ نے اپنے زمانے کے سات نہایت مختلف فیہ مسائل پر اپنا نقطۂ نظر واضح فرمایا ہے اور امت کے درمیان جو اختلاف اور بحث و مناظرہ کا سلسلہ عرصہ دراز سے چھڑا ہوا تھا اسے دور کرنے کیلئے ایک درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش فرمائی تاکہ علماء کا آپس کا تنازعہ ختم ہو اور وہ شدت کی بجائے اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ مگر حضرت حاجی صاحب کی جلالت شان کے باوجود اسکی افادیت کے متعلق آج بھی مختلف نقطہ نگاہ ہیں

اس رسالہ میں حضرت حاجی صاحب نے مولود شریف[1]، فاتحہ[2]، عرس و سماع[3]، نداء غیر اللہ[4]، جماعت ثانیہ[5]، امکان نظیر[6]، امکان کذب[7] پر اظہار خیال فرمایا ہے اور ان مسائل میں اپنا مسلک ظاہر کرتے ہوئے علماء اور عوام کا تنازعہ ختم کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ ان مسائل میں حاجی صاحب علماء کے اختلاف کو ایسا سمجھتے تھے جیسا اختلاف حنفی و شافعی وغیرہ میں ہے۔ چنانچہ ان کا فرمانا تھا کہ خواص تو اپنی تحقیق کے مطابق عمل کریں اور دوسرے فریق سے بغض و کینہ نہ رکھیں اور عوام نے جو غلو اور زیادتیاں کرلی ہیں ان کو نرمی سے منع کریں۔ اور عوام کو چاہیئے کہ جس عالم کو متدین و محقق سمجھیں اسکی تحقیق پر عمل کریں اور دوسرے فریق کے علماء کی شان میں گستاخی کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق خیال کریں۔ نیز دوسرے فریق سے تعصب اور عداوت سے بچیں۔

دراصل ان مختلف فیہ مسائل میں خود حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں اختلاف رائے تھا۔ حضرت نے اپنے مکتوبات کے ذریعے اس اختلاف کو کم کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ فیصلہ ہفت مسئلہ بھی ایسی ہی ایک تصفیہ سعی ہے۔ حضرت حاجی صاحب کا یہ فیصلہ کس حد تک لائق اعتماد ہے، امت اس پر کس حد تک عمل کرسکتی ہے اور پھر اسکے متعلق علماء میں کیا کیا اختلاف ہیں اسکی تفصیل اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں۔

۹۔ حاشیہ مثنوی مولانا رومؒ۔

حاجی صاحب کو نوجوانی کے زمانے سے ہی مثنوی شریف مولانا رومؒ سے انتہائی شغف تھا۔ ہر وقت اسکے مطالعہ و درس کا مشغلہ تھا اور اسکے اسرار و رموز سمجھنے اور اسکے مشکل مقامات حل کرنے میں مصروف رہتے تھے اور اپنی تحقیقات اور حرزی افادات بھی اسپر قلم بند فرماتے رہتے تھے۔ حاجی صاحب کو مثنوی شریف سے بے حد عقیدت اور عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ویسے بھی صوفیا کے نزدیک مثنوی شریف کا مقام نہایت بلند ہے۔ اور وہ اسے راہ سلوک کا معلم مانتے ہیں۔

حاجی صاحب کے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کے بعض احباب و متوسلین نے ارادہ کیا کہ مثنوی شریف پر حاجی صاحب کے حواشی شائع ہو کر وقف عام ہوں۔ حضرت نے بعض احباب کے اصرار پر اپنا مثنوی شریف کا نسخہ طباعت کے لئے ان کے حوالہ کر دیا، مگر جو صاحب حاجی صاحب سے کتاب لیکر آئے تھے وہ بہت کوشش اور کافی وقت گذر جانے کے باوجود اسکے چھپوانے کا انتظام نہ کر سکے، تو حضرت نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو تحریر فرمایا:-

"فقیر کی مثنوی شریف جو بعض حواشی و فوائد سے اپنی سمجھ کے موافق محشی ہے، عزیزم مولوی عبداللہ صاحب بواسطہ مولوی ابو احمد صاحب باستبداد و اصرار اشد بغرض طبع لیگئے تھے، اور مشہور کر دیا ہے کہ فقیر نے خواہش اس کے طبع کی کی ہے۔ فقیر حیران ہے کہ اول تو وہ حواشی کچھ ایسے قابل نہیں خیال کئے جاتے، تسپر طرہ یہ کہ فقیر کی خواہش ہے۔ تاہم آٹھ دس ماہ سے کچھ اس کی ایک جز بھی درست نہ کی، فقیر نے ان کو خط ممانعت کئی بار تحریر کرائے وہ ابھی تک اس کام سے باز نہ آئے۔

آپ کو متصدع ہوں کہ کسی معتبر ذریعہ سے مثنوی شریف محشی فقیر و قلمی، ہر دو نسخے مولوی عبداللہ صاحب، مولوی ابو احمد سے طلب کرالیں اور بعد میں جیسی رائے آپ کی ہوگی انشاء اللہ ویسا ہوگا۔ یہ تحریر فقیر کی دکھا کر مثنوی شریف منگوالی جائے۔" ۶۹

اس ارشاد کی روشنی میں مثنوی شریف کا وہ نسخہ غالباً حضرت گنگوہیؒ تک ہوتا ہوا واپس حضرت حاجی صاحب کے پاس پہنچ گیا اور پھر وہ نسخہ مولانا احمد حسن کانپوریؒ مکہ معظمہ سے واپس لے آئے۔ حاجی صاحب نے اس کی اطلاع مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دی۔ ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:-

"مثنوی شریف کی نسبت پہلے میں لکھ چکا ہوں اور اب پھر تحریر کرتا ہوں کہ مثنوی شریف عزیزی مولوی احمد حسین صاحب بغرض طبع لیجاتے ہیں آپ بھی اسمیں ساعی

رہئیے گا - تصحیح وعمدگی، خط وکاغذ کا بہت خیال رکھا جائے - بالفعل جتنی مثنوی موجود ہیں، یک لخت مسخ ہیں - اغلاط کثیرہ کی وجہ سے بالکل مطلب فوت ہو جاتا ہے، دیکھنے والا غریب حیران رہ جاتا ہے - پہلے بھی بہت لوگوں نے اس کے طبع کی درخواست کی تھی مگر بوجہ عدم وثوق میں نے اسکو منظور نہیں کیا تھا - اب انشاء اللہ امید ہے کہ اس کا انتظام طبع پورا پورا ہو جائے گا - خدا ایسا ہی کرے - آمین -" ۷۰

مولانا احمد حسن صاحب حاجی صاحب کی اس توقع پر پورے اترے اور حاجی صاحب کے حسب منشاء نہایت صحیح، عمدہ اور دیدہ زیب مثنوی مولانا روم شائع کی جو آج تک اپنی صحت وصفائی اور حسن طباعت کے لحاظ سے بے نظیر ہے - جب یہ دلآویز نسخہ حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حضرت بہت خوش ہوئے، ناشر کو دلی دعاؤں سے نوازا اور مختلف احباب وخلفاء کے نام اپنے خطوط میں اس کارنامہ پر اظہار مسرت فرمایا ایک خط میں مولانا اشرف علی تھانوی کو تحریر ہوا :-

"عزیزم مولوی احمد حسن صاحب زاد اللہ محبتہ وعرفانہ اس میں شک نہیں کہ بہت کوشش فرما رہے ہیں - خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے ان کی سعی کو مشکور فرمائے، اور ان کی ترقی درجات کا مثنوی شریف کو سبب بنائے - پہلا جز اس کا میرے پاس آ گیا، دیکھ کر نہایت جی خوش ہوا - مثنوی شریف جس درجہ کی کتاب تھی عزیزی موصوف نے اس کا پورا حق ادا کیا - خداوند کریم اس کو بایں حسن وخوبی تمام کو پہنچائے -" ۷۱

حضرت حاجی صاحب کی یہ دعا اور آرزو پوری ہوئی اور مکمل مثنوی شریف اسی اہتمام اور حسن طباعت کے ساتھ شائع ہوئی - مگر حاجی صاحب کی حیات میں صرف دو دفتر ہی شائع ہو پائے - تکمیل حضرت کی وفات کے بعد ہوئی -

حاجی صاحب مثنوی شریف کا درس بہت جوش وخروش سے دیتے تھے - حضرت نے حاشیہ پر مثنوی شریف کے اشکالات اور مشکل اشعار کو بڑے دل نشیں الفاظ میں حل فرمایا ہے - اور مطلب ومعانی بیان فرمائے ہیں - یہ آپ کی بڑی علمی خدمت ہے -

۱۰۔ گلزار معرفت۔

اس میں حاجی صاحب کا وہ منظوم کلام جمع کیا گیا ہے جو حضرت کی کسی تالیف میں شامل نہیں ہے لہٰذا یہ حاجی صاحب کا مجموعہ کلام ہے۔ اس کے مرتب حضرت کے ایک متوسل جناب نیاز احمد ہیں۔ مگر افسوس کہ ان صاحب کے متعلق مزید کچھ معلومات حاصل نہیں۔ اس مجموعہ کلام میں اردو اور فارسی کا کلام شامل ہے اور مختلف مناجات، نعتیہ کلام، غزلیات اور منظوم شجرہ اس میں جمع کئے گئے ہیں۔

۱۱۔ نالۂ امداد غریب۔

اس میں حاجی صاحب کی نظم و مرتب کی ہوئی کچھ مناجاتیں جمع کی ہیں۔ اور اسی میں کچھ حصہ کلام غریب سہارنپوری کا بھی ہے مگر امتیاز کی کوئی صورت نہیں کہ حضرت کا کلام کیا ہے اور غریب سہارنپوری کے اشعار کہاں تک ہیں۔

پہلی رباعی کا آخری مصرعہ اسطرح ہے:۔

"مقبول شود نالۂ امداد غریب"

اس مصرعہ میں امداد غریب آخر میں ہے اور یہی اس رسالہ کا نام ہے۔ اس رباعی کے بعد جو مناجات ہے وہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی ہی ہے۔ یہ مناجات "گلزار معرفت" میں بھی شامل ہے۔ اسمیں حاجی صاحب کا تخلص موجود ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اٹھا غم رکھ امید امداد حق سے　　تجھے غم ہے کیا رب ہے غمخوار تیرا

ایک نعتیہ غزل کے مقطع میں تخلص غریب ہے اور ایک نعتیہ مناجات میں تخلص رنج ہے ان وجوہ سے اس مختصر رسالہ کے کلام کے بارے میں شک پیدا ہوتا ہے۔

الغرض حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی یہ تمام تصانیف تصوف، اذکار و اشغال، عقائد، عشق الٰہی، نعتیہ کلام اور اصلاحی مضامین پر مبنی ہیں اور مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید ہیں۔

باب ہفتم۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور اسکی اہمیت

ہندوستان میں مسلم دور حکومت میں اسلامی مدارس اور دینی تعلیم کا انتظام مسلمان بادشاہوں، نوابوں اور رئیسوں کے ذمہ تھا۔ وہی تمام مدارس اور مکتبوں کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ جب مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں کا تسلط ہوا تو سب سے پہلے انہوں نے سیاسی طاقت کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیمی اور تمدنی زندگی کے خاتمے کی طرف توجہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کا رشتہ ان کی طاقت کے سرچشمے قرآن و حدیث سے کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے ان مدارس دینیہ کے ذرائع آمدنی کو ختم کرنا شروع کیا۔

مسلمان سلاطین اور امراء نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے تھے جن کی آمدنی سے مسلمانوں کے مذہبی و تعلیمی ادارے چلائے جاتے تھے۔ انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے ہی ان اوقاف پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسکی شہادت ایک انگریز افسر ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر نے مندرجہ ذیل الفاظ میں دی ہے:

"صوبۂ بنگال پر جب ہم نے قبضہ کیا تو اس وقت کے قابل ترین افسر مال جیمز گرانٹ کا بیان ہے کہ اس وقت صوبہ کی آمدنی کا تخمیناً ایک چوتھائی حصہ جو معافیات کا تھا حکومت کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ ۱۷۷۲ء (۱۱۸۶ھ) میں وارن ہیسٹنگز نے اس علاقے کی واپسی کی مہم شروع کی مگر ناکام رہی۔ ۱۷۹۳ء (۱۲۰۸ھ) میں لارڈ کارنوالس نے پھر اس معاملہ کو اٹھایا مگر اس وقت کی طاقت ور حکومت بھی اس معاملہ پر قابو نہ پا سکی۔ پچیس برس کے بعد ۱۸۱۵ء (۱۲۳۱ھ) میں حکومت نے پھر اس معاملے کو زور سے

اٹھایا مگر عمل کی جرأت نہ ہو سکی، آخر ۱۸۳۸ء/۱۲۵۴ھ میں آٹھ لاکھ پونڈ کے خرچ سے مقدمات چلا کر ان معافیات اور اوقافِ تعلیم پر حکومت نے قبضہ کر لیا، صرف ان معافیات سے حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ۔ (تقریباً ۴۵ لاکھ روپے) کا اضافہ ہو گیا۔" [۱۱۴]

انگریزوں کی اس پالیسی کا لازمی نتیجہ یہی برآمد ہوا کہ اسلامی تعلیم کا جو نظام مسلمانوں نے چلا رکھا تھا وہ پوری طرح برباد ہو گیا۔ اس بارے میں خود ہنٹر نے لکھا ہے:

"سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار ان ہی معافیات پر تھا، تہ و بالا ہو گیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔" [۱۱۵]

مسلمانوں نے اپنی تعلیمی ضروریات کے لئے جو اوقاف بنائے تھے انگریزوں نے ان کا سراسر غلط استعمال کیا اور وہ ادارے جو مسلم تہذیب و تمدن اور دینی تعلیم کے مراکز تھے سنسان اور ویران ہو گئے۔ اساتذہ بے روزگار اور طلباء سرپرستی و خبرگیری سے محروم ہو گئے۔ ظاہر ہے بغیر مالی امداد کے یہ دینی درسگاہیں اور تعلیمی ادارے نہیں چلائے جا سکتے تھے۔ خود ہنٹر نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہم نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائداد کو جو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضے میں دی گئی تھی، ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں آج بھی ان کے پاس اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے۔" [۱۱۶]

ایک انگریز مصنف کی یہ شہادت پوری طرح ثابت کرتی ہے کہ

انگریزوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو برباد کیا اور ان کے اوقاف کو اپنے قبضے میں لے کر تعلیمی اداروں کی شہ رگ کاٹ دی۔ اوپر کی تحریروں سے بنگال کے واقعات کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ اس دور کا قصہ ہے جب دہلی میں مغل بادشاہت قائم تھی حالانکہ اس کا اقتدار لبس برائے نام اور نہایت محدود رہ گیا تھا۔ سقوط دہلی کے بعد حالات اور بھی ناگفتہ بہ ہو گئے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد تو انگریزوں میں مسلم دشمنی کے جذبات اور بھی زیادہ ہو گئے۔ چونکہ انگریزوں نے ہندوستان میں حکومت مسلمانوں سے لی تھی اور مسلمانوں نے ان کا مقابلہ بھی کیا تھا لہذا وہ ہندوستان میں اپنا دشمن اول صرف مسلمانوں کو ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی نئی نسل کو اپنے نظریات، اپنی تہذیب اور اپنے اصول تعلیم سے مرعوب کرنے کے لئے انہوں نے اسلامی تعلیمی اداروں کو ختم کرنا ضروری سمجھا۔ اس کی جگہ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی تعلیمی پالیسی رائج کی۔ ان کی تعلیمی پالیسی کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ہندوستانیوں کے قلب و دماغ پر برطانوی اقتدار کی گہری چھاپ ڈالی جائے۔ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو اس لئے تعلیم دینی شروع کی تاکہ انگریزی حکومت کے لئے کلرک اور دیگر ملازمین پیدا کئے جا سکیں۔ ساتھ ہی مسیحی مشنریاں پورے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے میں مشغول تھیں اس دوہری حکمت عملی کا نتیجہ انگریزوں کے نقطۂ نظر سے امید افزا برآمد ہو رہا تھا۔

جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں انگریزوں سے دوہری عداوت تھی۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کے اقتدار کو ختم کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی اور دوسرے یہ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو

برباد کیا تھا - ساتھ ہی مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ انگریزوں کے طرز تعلیم سے ان کی دینی اقدار اور ان کے تمدن کو خطرہ درپیش ہے کیونکہ انگریزوں نے اپنے تعلیمی نظام میں دینی تعلیم (خصوصاً اسلامی تعلیم) کا بالکل انتظام نہیں کیا تھا - بلکہ مشن اسکولوں میں بچوں کو عیسائی دعائیں سکھائی جاتی تھیں اور عیسائیت کی برتری (نعوذ باللہ) کا نقش نوخیز دماغوں پر ڈالنے کی کوشش کی جارہی تھی - مسلمان اس صورت حال سے پریشان تھے اور اسکا خاطرخواہ مقابلہ کرنے کی فکر میں تھے -

دوسری طرف ہندو حضرات کو انگریزی طرز تعلیم سے کوئی خاص بغض نہیں تھا بلکہ وہ اسے اپنے حق میں ایک نعمت سمجھ رہے تھے - نظام تعلیم کا بدلنا مسلمانوں کے لئے نقصان دہ تھا تو ہندوؤں کے لئے نئی صورت حال زیادہ منافع بخش تھی - مسلم دور اقتدار میں انہیں فارسی، اردو اور دوسرے مشرقی علوم سیکھنے ہوتے تھے اب نئے نظام تعلیم میں انگریزی زبان اور مغربی علوم وفنون کی برتری تھی - چونکہ جدید طرز تعلیم میں مسلمانوں کو فوقیت حاصل نہیں تھی لہذا ہندوؤں نے یہ موقع غنیمت جانا اور ان کی طرف سے انگریزی طریقۂ تعلیم کی کوئی خاص مخالفت نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے مسلمانوں کی انگریز دشمنی کا فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ سرکاری عہدے حاصل کئے اور دفاتر اور شعبہ جاتِ حکومت میں دخیل ہو گئے -

مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی اس زمانے کے حالات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"ہندوستانی نوجوان نہ صرف مشن اسکولوں بلکہ سرکاری مدارس میں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عیسائیت

کی طرف مائل ہوں۔ مسلمانوں کو خاص کر اس بات کا احساس ہے اور وہ اپنے بچوں کو ان مدارس میں بھیجنے سے احتراز کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام کے علاوہ نجات کا کوئی دوسرا راستہ نہیں، لیکن ہندو اس باب میں زیادہ سخت نہیں، چنانچہ انھیں کی جماعت کے افراد مسیحی تبلیغ سے متاثر ہو رہے ہیں۔" [117]

مسلمانان ہند کو جو خدشات انگریزوں کے طرز تعلیم سے تھے وہ بے بنیاد قرار دے کر مسترد نہیں کئے جا سکتے۔ مغل سلطنت کے خاتمے اور انگریزی حکومت کے قیام کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ہی بدل گئی۔ کل تک وہ حاکم تھے اور آج محکوم اور وہ بھی حکومت وقت کے معتوب چنانچہ سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کا اندازہ اس دور کی تاریخ پڑھنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

مرزا غالب کے خطوط کا جو مجموعہ اردوئے معلّٰی کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس میں کچھ خطوط ۱۸۵۷ء کے خونیں واقعات کے بعد کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ غالب دلی کے "شہر آشوب" کا مرثیہ لکھتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار کہتے ہیں:

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جسکو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک — تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا

اپنے ایک خط مورخہ ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء میں غالب لکھتے ہیں:

"دیکھا چاہئے مسلمانوں کو آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں" [118]

جب ہندوستان کے دارالحکومت کا یہ حال تھا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دور دراز علاقوں کا کیا حال رہا ہوگا۔ چونکہ ہمارا مقالہ کوئی تاریخی مضمون نہیں ہے لہذا اسکی تفصیلات کا بیان کرنا یہاں مقصود نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت کے خاتمے اور برطانوی حکومت کے قیام کے بعد مسلمانان ہند کو زبردست مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا گیا، شہزادوں کو قتل کیا گیا اور بڑی تعداد میں امراء اور عمائدین سلطنت کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا، ان کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں، اوقاف پر قبضہ کرلیا گیا، سامان قرق کرلیا گیا اور ہر طرح سے انہیں ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد کرنے کے طریقے انگریز حاکموں نے اختیار کئے۔

کچھ عرصے تک مسلمان عوام وخواص صرف اپنی جان بچانے اور اپنی معاش کی حفاظت میں پریشان رہے لیکن جب ہندوستان کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر باضابطہ تاج برطانیہ کے ماتحت ہوگئی اور ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تو مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے بدلے ہوئے حالات میں اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔

جب ہم اس دور پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دو مختلف طرز فکر نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ تو وہ تھا جن کا خیال تھا کہ انگریزوں سے محاذ آرائی ترک کر دینی چاہئیے اور بدلے ہوئے حالات میں باعزت اور باوقار زندگی گذارنے کے لئے مسلمانوں کو بھی انگریزی تعلیم حاصل کرنی چاہئیے تاکہ وہ بھی برطانوی حکومت کے ماتحت ہندوستان میں سرکاری عہدوں پر فائز

ہو سکیں - ان حضرات کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے انگریزوں سے نفرت کے باعث جدید انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی تو وہ مزید پسماندگی کا شکار ہوتے رہیں گے اور حکومت بھی انہیں مسلسل نظر انداز کرتی رہے گی - ان حضرات نے ایک طرف مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کی تحریک چلائی تو دوسری طرف انگریز حکمرانوں کے دماغ سے مسلم دشمنی کے جذبات زائل کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی - اس گروہ کے قائد اور رہنما سرسید احمد خاںؒ تھے - انہوں نے نہایت دانشمندی، تدبر اور اولوالعزمی کے ساتھ اپنے مشن کو آگے بڑھایا - سرسید علیہ الرحمۃ اور ان کے مخلص اور باتدبیر ساتھیوں کو اس زمانے میں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان حضرات نے ہمت نہیں ہاری - سرسید نے ایک طرف تو "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر انگریز حاکموں کے سامنے ہندوستانی رعایا کی شکایات اور پریشانیاں پیش کیں اور انگریزوں کو ہندوستانیوں کے تئیں ہمدردانہ رویہ اپنانے کا مشورہ دیا تو دوسری طرف علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم مسلمانان قائم کر کے ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً انگریزی تعلیم اور جدید علوم و فنون حاصل کرنے کے لئے راغب کیا - بعد میں یہی مدرسہ ترقی کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا جو مسلمانوں کا عالمی سطح کا تعلیمی ادارہ ہے -

اس زمانے میں یہ کام جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف تھا مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات بہت شدید تھے - انگریز بھی مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے اور ان پر اعتماد کرنے یا انہیں ترقی کے مواقع بہم پہنچانے کے لئے تیار نہیں تھے - حکومت کے عہدوں پر مسلمانوں کو فائز کرنے سے بھی وہ ڈرتے تھے کیونکہ ان کی نظر میں مسلمانوں

کی وفاداری مشکوک اور مشتبہ تھی ۔ لیکن سرسیدؒ اور ان کے رفقاء کار
اپنی دھن کے پکے ثابت ہوئے ۔ ایک طرف انگریزوں کے ایک طبقے کا
خیال تھا کہ سرسیدؒ پر ان کی کتاب کی بنیاد پر مقدمہ چلایا جائے تو دوسری
جانب مسلمانوں کی اکثریت اس وقت تک انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے خلاف
تھی ۔ کچھ کٹر قسم کے علماء بھی سرسید کے خلاف ہو گئے اور کچھ حضرات نے
تو ان کے خلاف کفر کے فتوے بھی منگوا لئے ۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں
کو کافر، ملحد اور نیچری کہا گیا اور ان کے ساتھ تعاون اور اشتراک کو گناہ
قرار دیا گیا ۔ لیکن بعد کے واقعات نے سرسیدؒ اور ان کے رفقاء کار کی دور
اندیشی اور قومی ہمدردی کو ثابت کر دیا ۔ سرسیدؒ پکے سچے اور مخلص مسلمان
تھے ۔ انہوں نے مدرسۃ العلوم مسلمانان میں دینیات کی تعلیم مسلمانوں
کے لئے لازمی قرار دی تاکہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا رشتہ
ان کی طاقت کے اصل سرچشمے قرآن و حدیث کے ساتھ قائم رہے اور
وہ اپنے دین پر پوری طرح کاربند رہیں ۔ سرسیدؒ کے مدرسہ میں مسلمان
طلباء کے لئے نماز کی پابندی ضروری تھی ۔ الحمد للہ سرسید علیہ الرحمۃ
کا لگایا ہوا یہ پودا آج گھنا سایہ دار درخت بن چکا ہے اور برصغیر ہند
و پاک کے مسلمان اس سے مستفید ہوتے رہے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہینگے ۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا کہ اس پر آشوب دور میں مسلمانان ہند
کے مستقبل کی فکر کرنے والے حضرات نے دو طرح سوچا ۔ ایک طرز فکر
کے قائد سرسیدؒ تھے اور دوسرے گروہ میں علماء دین نظر آتے ہیں ۔ ان حضرات
کا خیال تھا کہ انگریزی تعلیم مسلمانوں کو ان کے دین و مذہب سے دور کر دے
گی ۔ ان میں سے اکثر علماء ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شریک ہو چکے تھے ۔ ان

کے رگ و پے میں انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب سے نفرت پوری طرح سرایت کر چکی تھی - یہ حضرات انگریزوں کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے - ان علماء کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو حکومت چلے جانے کے بعد اپنی دینی تعلیم کی فکر کرنی چاہیے اور قرآن و سنت کے تحفظ و بقاء کے لئے ان حضرات نے دینی مدارس کا قیام ضروری سمجھا - درحقیقت یہ دونوں گروہ مخلص اور دیندار تھے اور دونوں کے پیش نظر بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کے تحفظ اور بقاء کا مسئلہ تھا - حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے" چنانچہ ان دونوں گروہوں کے اخلاص اور نیک نیتی کی برکت سے اللہ نے دونوں کی کوششوں کو بار آور کیا اور مسلمانان ہندوپاک کو (جو اس وقت صرف ہندوستان تھا) ان حضرات کی مساعی جمیلہ سے زبردست فائدہ پہنچا - اگر ایک جماعت کی کوششوں سے مسلمانوں نے دنیوی ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کئے اور جدید دنیا کی قیادت کی استعداد پیدا کی تو دوسری جماعت کی کاوشوں سے ہندوستان میں قرآن و سنت کے علوم کا نہ صرف تحفظ ہوا بلکہ اسکی خوب خوب ترویج و اشاعت ہوئی - اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے -

علماء کے جس گروہ نے ۱۸۵۷ء کے بعد دین کے تحفظ اور دینی تعلیم کی اشاعت کی طرف توجہ کی ان میں سرفہرست وہ حضرات ہیں جنہیں علماء دیوبند کہا جاتا ہے اور ان سب علماء کے سرپرست و مربی اور پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی و مہاجر مکی ہیں - یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کو شیخ العلماء کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے - دراصل یہ حاجی صاحبؒ کی توجہ باطنی اور تربیت کا ہی ثمرہ تھا جو مدرسہ دیوبند قائم ہوا -

حاجی صاحب اور انکے خلفاء کا دارالعلوم سے تعلق:

دارالعلوم دیوبند جو اس وقت دنیا کے اہم دینی تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے اور بجا طور سے "ازھر الہند" کہلائے جانے کا مستحق ہے اپنی تاسیس کے وقت اتنا چھوٹا تھا کہ اس سے چھوٹا کوئی ادارہ ہو ہی نہیں سکتا یعنی صرف ایک استاد اور صرف ایک طالبعلم سے یہ درسگاہ قائم کی گئی تھی۔ وہ مبارک و مسعود دن ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ) کا تھا جب اس ادارے کی بنیاد پڑی۔ یہ بھی مشیت ایزدی تھی کہ سب سے پہلا استاد بھی محمود اور سب سے پہلا شاگرد بھی محمود تھا۔ معلم کا نام مولوی محمد محمود تھا جو دیوبند کے مشہور عالم دین تھے اور متعلم کا نام محمود حسن تھا جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس نورانی مدرسہ کی ابتدا دیوبند کی ایک پرانی مسجد میں ہوئی جس کا نام مسجد چھتہ ہے۔ اسی مسجد کے صحن میں انار کے ایک درخت کے نیچے یہ مدرسہ شروع ہوا۔ آج بھی دیوبند جانے والے لوگ یہ مسجد اور یہ درخت دیکھنے جاتے ہیں جو آج بھی موجود ہیں۔ جگر نے ایسے ہی مواقع کے لئے کہا ہے

زہے خلوص و محبت کہ حادثاتِ جہاں
مجھے تو کیا میرے نقشِ قدم مٹا نہ سکے

جہاں تک دارالعلوم دیوبند کے قیام کے پس پردہ کارفرما روح کا تعلق ہے ہم خود اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے جا چکے تھے اور ہندوستان میں مدرسہ دیوبند قائم ہو چکا تھا تو ان کی خدمت میں ایک بزرگ نے عرض کیا:

"ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے، اسکے لئے دعا فرمائی جائے"

حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے یہ سنکر ارشاد فرمایا:

"سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں، ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے۔۔۔ یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر"

یہ ارشاد فرمانے کے بعد حاجی صاحب نے یہ حقیقت منکشف فرمائی:

"یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے"[۱۲۱]

دیوبند کے مدرسے کی قبولیت کی بشارت حاجی صاحب نے ان الفاظ میں دی:

"یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گرانمایہ کو یہ سرزمین لے اڑی"[۱۲۲]

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اس مدرسہ کی ابتدا دیوبند کی ایک پرانی مسجد میں ہوئی اسے مسجد چھتہ کہتے ہیں۔ یہ مسجد ہندوستان میں مسلمانوں کے ابتدائی طرز تعمیر کے مطابق بنی ہوئی۔ اسکی عمارت لکھوری اینٹ کی بغیر پلاسٹر کی ہوئی ہے اور سادگی کا نمونہ ہے۔ مدرسے کی تاسیس مسجد چھتہ میں ہونے کی دو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مدرسے کی بانی حاجی سید محمد عابدؒ صاحب اس وقت مسجد چھتہ میں قیام پذیر تھے اور اسی مسجد کے ایک حجرے سے خلق خدا کو فیض پہنچا رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت دیوبند کی جامع مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی کیونکہ یہ حسن اتفاق ہے[۱۲۳] کہ مدرسہ کی ابتدا اور جامع مسجد کی بنیاد ایک ہی سال یعنی ۱۲۸۳ھ میں پڑی اور یہ بھی خاص بات ہے کہ ان دونوں عظیم کاموں کو شروع کرنے کی سعادت حضرت حاجی عابدؒ کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ تعمیر جامع مسجد کے بعد یہ مدرسہ چند سال تک جامع مسجد میں بھی رہا ہے مگر بعد میں جب مدرسے کی توسیع ہوئی تو علیحدہ عمارت تعمیر کی گئی۔

مدرسے کی ابتدائی داستان کا مطالعہ کرنے سے ایک بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس مدرسے کے قیام میں اسکے بانی اور مہتمم اول حضرت حاجی محمد عابد حسینؒ کی کوششوں اور ان کے اثر و رسوخ اور ذاتی وجاہت کا کافی دخل رہا ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ شروع سے ہی حاجی عابد حسین کے شریک کار اور مشیر تھے اور بعد میں مدرسے کی توسیع اور ترقی بھی مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست اور ہمت کی رہین منت ہے۔ مدرسہ کی موجودہ عمارت کی تعمیر بھی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولوالعزمی کا مظہر ہے۔ مولانا قاسم نے مدرسے کی مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر موجودہ عمارت کی تعمیر کرائی تھی جس کی بعد میں مزید توسیع ہوئی۔

مولانا سید اصغر حسینؒ (میاں صاحب) حیات شیخ الہند میں تحریر فرماتے ہوئے دارالعلوم (جو اس وقت تک مدرسہ ہی تھا) کے ابتدائی حالات کے متعلق مطلع کرتے ہیں:

"دیوبند میں خدا تعالیٰ کے مقبول اور سراپا اخلاص بندوں کی تجویز سے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو ایک عربی مدرسہ کا اجراء ہوا، موجودہ زمانہ کی طرح اس وقت جا بجا عربی مدارس جاری نہ تھے، مدرسہ جاری کرنا ایک ایسا اہم و دشوار کام سمجھا جاتا تھا جس کا کسی کو خیال بھی نہ آتا تھا، اور اس کا جاری رہنا ایک امر محال نظر آتا تھا، مگر چونکہ معتقد علیہ بے لوث بزرگوں اور مشہور معتمد حضرات کی تجویز تھی اور اہل شہر نیک نیت و صاحب دین تھے، سب نے امید سے بڑھ کر اعانت فرمائی، رفتہ رفتہ اطلاع عام ہوئی،

مالی امداد اور طلباء کا رجوع یوماً فیوماً زائد ہوا، کارکن حضرات کی ہمت بندھی اور کام بحسن اسلوب جاری رہا، جب طلباء کی کثرت ہوئی اور مسجد..... اور اس کے حجروں میں درس و تدریس اور قیام طلباء کی گنجائش دشوار ہو گئی تو ایک مکان متصل مسجد قاضی کرایہ پر لیا گیا۔ ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء کے آخر میں مدرسہ کے لئے تعمیر مکان کی تجویز ہو کر انتظام اہتمام چندہ شروع ہوا اور ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۷ء میں مبارک ہاتھوں سے وسیع پیمانے پر بنیاد رکھی گئی اور بتدریج ترقی پا کر بعونہ تعالیٰ آج ایک اسلامی یادگار اور مسلمانوں کے لئے قابلِ فخر عمارت موجود ہے۔" [۱۲۵]

غرض مدرسہ دیوبند کا قیام مسجد چھتہ میں ہوا۔ تعمیر جامع مسجد کے بعد چند سال وہاں جاری رہا، ایک مکان مسجد قاضی کے پاس کرایہ پر لیا گیا اور آخر میں اسکی علیحدہ مستقل عمارت بنائی گئی جہاں پہ آج موجود ہے۔ گو بعد میں اس عمارت کی توسیع و ترقی مسلسل ہوتی رہی۔

عام طور سے مسلم دورِ حکومت میں مدارس دینیہ کا قیام اور ان کے اخراجات کی کفالت مسلمان بادشاہوں یا امراء کے ذمہ تھی۔ مدرسوں کے مصارف پورے کرنے کے لئے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے جاتے تھے اور جائدادیں وقف کر دی جاتی تھیں جنکی آمدنی سے اساتذہ اور طلباء کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ لیکن چونکہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ایسے وقت میں پڑی جب مسلم دورِ حکومت ختم ہو چکا تھا اور شخصی حکومتوں کی جگہ آگے چل کر عوامی اور جمہوری حکومت کا قیام ہونے والا تھا لہٰذا جو حکمت عملی مدرسہ دیوبند کے

بانیان نے اس کے مصارف پورا کرنے کے لئے اختیار کی وہ ان اللہ والوں کی افتادِ طبع کے بھی عین مطابق تھی اور بعد میں قائم ہونے والے جمہوری نظام سے بھی ہم آہنگ ثابت ہوئی۔

جناب مولانا سید محمد عابد حسینؒ کو یہ شرفِ سبقت حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے خود دارالعلوم دیوبند (جو اس وقت صرف مدرسہ ہی بنا تھا) کے لئے چندہ دیا اور خود بہ نفسِ نفیس لوگوں کے پاس جا کر مدرسہ کے لئے جھولی پھیلائی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے جو مدرسہ دیوبند کے قیام کی تحریک میں شریک تھے، اس واقعے کو نظم کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مردِ حق "عابد" صداقت کیش — اولین گستر اندر و مالش
ہم باخلاص دل دراں بنہاد — چیزے از طیبات اموالش

اپنے اسی قصیدہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ مدرسہ دیوبند کی تعمیر و ترقی میں حاجی عابد حسین صاحبؒ کو جو زبردست اعانت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے ملی اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

لیک ایں "طائرِ ہمایوں فال" — شد ز قاسم عطا پر و بالش [۱۲۶]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ان دونوں حامیانِ دین خلفاء کا نام تاریخ دارالعلوم دیوبند میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ مدرسہ دیوبند کے لئے چندہ جمع کرنے کی پہل کا نورانی واقعہ سوانح قاسمی میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے منشی فضل حقؒ مصنف سوانح مخطوطہ [۱۲۷] (سوانح حضرت نانوتویؒ) کے حوالے سے اسطرح تحریر فرمایا ہے:

"(حاجی محمد عابد صاحبؒ) ایک دن بوقت اشراق سفید رومال

کی جھولی بنا، اور اس میں تین روپیہ اپنے پاس سے ڈال،
چھتہ کی مسجد سے تن تنہا مولوی مہتاب علی صاحب مرحوم[۱۲۸] کے
پاس تشریف لائے۔ مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی
سے چھ روپے عنایت کئے اور دعا کی، اور بارہ روپے مولوی
فضل الرحمٰن صاحب[۱۲۹] نے اور چھ روپے اس مسکین (یعنی
سوانح مخطوطہ کے مصنف منشی فضل حق صاحب دیوبندی)
نے دئے۔ وہاں سے اٹھ کر مولوی ذو الفقار علی صاحب[۱۳۰]
سلمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے۔ مولوی صاحب ماشاء اللہ
علم دوست ہیں، فوراً بارہ روپے دئے اور حسن اتفاق
سے اس وقت سید ذو الفقار علی ثانی[۱۳۱] دیوبندی وہاں موجود
تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کئے، وہاں سے
اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت (یعنی حاجی محمد عابد صاحب)
محلہ ابو البرکات پہنچے ---- دو سو روپے جمع ہو گئے،
اور شام تک تین سو روپے۔ پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچا
ہوا، اور جو پھل پھول اس کو لگے ظاہر ہیں ---- یہ قصہ
بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا ----
اور مدرسہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔"[۱۳۲]

دار العلوم دیوبند کی تاسیس ایسے بابرکت ہاتھوں سے ہوئی کہ اللہ نے اس کو خوب ترقی دی اور عالمی سطح کا دینی تعلیمی ادارہ بنا دیا۔

جب حاجی عابد حسین علیہ الرحمہ نے مدرسہ دیوبند کے قیام کا کام شروع کر دیا تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو میرٹھ خط لکھا

کہ وہ دیوبند تشریف لاکر مدرسہ میں پڑھائیں۔ اسکے جواب میں مولانا قاسم صاحبؒ نے تحریر فرمایا:

"میں بہت خوش ہوا۔ خدا بہتر کرے، مولوی ملا محمودؒ صاحب کو پندرہ روپے ماہوار مقرر کرکے بھیجتا ہوں وہ پڑھائیں گے اور میں مدرسۂ مذکور کے حق میں ساعی رہوں گا۔" [۱۳۳]

چنانچہ ملا محمود صاحب کو دارالعلوم دیوبند کے پہلے مدرس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مصنف سوانح مخطوط منشی فضل حق کے بیان کے مطابق (جو حاجی عابد حسینؒ کے زمانہ میں دیوبند کے مدرسہ کے سربراہ کار تھے اور اسکی پہلی مجلس شوریٰ کے رکن تھے) مدرسے کے پہلے طالبعلم کا نام عبدالعزیز تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے اس مدرسہ کے مدرس ملّاں محمود صاحب ہیں اور جائے مدرسہ فرش مسجد چھتّہ، طالبعلم مولوی عبدالعزیز صاحب ہیں۔" [۱۳۴]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدرسہ دیوبند کے پہلے طالبعلم کی حیثیت سے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا نام نامی مشہور ہے۔ اس کے ثبوت کے طور پر مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ تحریری بیان پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے دارالعلوم کے جلسۂ دستار بندی منعقدہ ۱۳۲۸ھ میں "زرین ماضی و مستقبل" کے عنوان سے پڑھا تھا اور جو بعد میں "مدرسہ اسلامی عربی دیوبند کا زرین ماضی و مستقبل" کے نام سے افضل المطابع دہلی سے ۱۳۲۸ھ / 1910 میں شائع ہوا۔ اس تحریر میں کہا گیا ہے "..... اور مولانا محمود حسن صاحب پہلے طالبعلم تھے،

جنہوں نے کتاب کھولی۔" یہ دونوں بیان مختلف ہیں لیکن ہمارا موضوع اس وقت دارالعلوم دیوبند کی تاریخ مرتب کرنا نہیں ہے اس لئے مختصراً اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یا تو پہلے طالبعلم عبدالعزیز صاحب کا سبق بغیر کتاب کے زبانی شروع ہوا اور بعد میں مولانا محمود حسن سب سے پہلے کتاب لے کر آئے یا پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ الہند رح ایک دو دن بعد آئے ہوں اور چونکہ آپ کو فضیلت علمی اور شہرت حاصل ہوئی لہذا آپ کا ہی نام مشہور ہو گیا پہلے طالبعلم کی حیثیت سے۔ بہرحال جو بھی صورت رہی ہو یہ طے ہے کہ دارالعلوم کا افتتاح انتہائی سادگی لیکن اخلاص کے ساتھ ہوا۔

ہمارے مقالے کیلئے یہ بات اہم ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب رح، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بانیان و اکابر دیوبند کا تعلق تربیت و بیعت ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سے ہے اور یہ بات حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ کے زبردست دینی اثرات کا بیّن ثبوت ہے۔

مدرسہ دیوبند کی تاسیس کا جو پہلا بیان اسکے بانیوں کی جانب سے شائع ہوا تھا اس میں اطلاع دی گئی ہے:

> "الحمد للہ کہ دیوبند میں اکثر اہل ہمت نے جمع ہو کر کسی قدر چندہ جمع کیا، اور ایک مدرسہ عربی پندرہ تاریخ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ سے جاری ہوا، اور مولوی محمد محمود صاحب بالفعل بمشاہرہ پندرہ روپے ماہوار پر مقرر ہوئے، چونکہ لیاقت مولوی صاحب کی بہت کچھ ہے اور تنخواہ بسبب قلت چندہ کے کم، ارادہ مہتمان مدرسہ

کا ہے کہ بشرط وصول زر چندہ قابل اطمینان جس کی امید
کر رکھی ہے تنخواہ مولوی صاحب کی زیادہ کی جاوے
اور ایک مدرس فارسی و ریاضی کا مقرر ہو۔ جملہ اہل ہمت
و خیر خواہان ہند خصوصاً مسلمانان سکنائے دیوبند و
قرب و جوار دیوبند پر واضح ہو کہ جو لوگ اب تک
شریک چندہ نہیں ہوئے بدل شریک ہو کر امداد
کافی دیویں اور واضح ہو کہ سوائے چندہ مفصلہ ذیل
ہذا کے جس کی میزان ۴۰۱ روپے ہے، دوسرا چندہ
واسطے خوراک و مدد خرچ طلباء بیرونجات کے
جمع ہوا ہے اور سولہ طالب علموں کا صرف جمع ہو
گیا ہے اور انشاء اللہ روز بروز جمع ہوتا جاتا ہے،
اس میں سے طلباء بیرونجات کو کھانا پکا پکایا اور
مکان رہنے کو ملے گا، کتابوں کا بندوبست بھی متعاقب
ہوگا، نام مہتممان درج ذیل ہیں۔ جن صاحبوں کو
روپیہ چندہ بھیجنا منظور ہو تو بنام ان کے بذریعہ خط
بیرنگ ارسال فرماویں، رسید اس کی بصیغۂ پیڈ
بھیجی جاوے گی، فقط

حاجی عابد حسین صاحب — مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی
مولوی مہتاب علی صاحب — مولوی ذوالفقار علی صاحب
مولوی فضل الرحمٰن صاحب — منشی فضل حق صاحب
شیخ نہال احمد صاحب

۱۳۵

العبد فضل حق سربراہ کار مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی قصبہ دیوبند، تحریر تاریخ ۱۹ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۳ھ "

دارالعلوم دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ اس ادارہ کے ذریعے عوامی چندے سے دینی وملّی ادارے قائم کرنے کی داغ بیل ڈالی گئی۔ بعد میں اسی اصول پر سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم قائم کیا گیا۔ سہارنپور کا یہ مدرسہ دیوبند میں مدرسے کے قیام کے چھ سات ماہ بعد قائم ہوا اور پھر ایک کے بعد ایک مدارس عربی کا قیام ہوتا چلا گیا۔

چونکہ مدرسہ عربی دیوبند کے قائم کرنے والے حضرات کی روحانی تربیت اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے فرمائی تھی لہٰذا اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں ان اللہ والے درویشوں نے بھی ہمیشہ توکل علی اللہ اور تعلق مع اللہ پر ہی ہمیشہ تکیہ کیا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ نے مدرسہ دیوبند کے لئے جو آٹھ بنیادی اصول بطور وصیت تحریر فرمائے تھے ان میں ارشاد فرمایا تھا:

"اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

"نامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا
ہے جنکو اپنے چندہ سے امید ناموری نہو بالجملہ حسن نیت
اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔" ۱۳۶

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ نے جو دارالعلوم کے بانیوں میں ہیں اس وصیت کو اسطرح نظم کیا ہے:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اسکے لئے
کوئی سرمایہ بھروسے کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یہ سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائے گا ۱۳۷

دراصل یہ شان درویشی اور اللہ پر پورا توکل اسی نسبت روحانی کا فیض ہے جو مولانا قاسم صاحبؒ اور دوسرے بانیان مدرسہ کو حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے حاصل ہے۔ ان حضرات کے اخلاص نیت اور للّٰہیت کی بدولت ہی دارالعلوم قائم ہوا اور پھلا پھولا۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر میں دینی مدارس کا سلسلہ شروع ہوا۔ کارساز حقیقی لوگوں کی نیتوں کے اعتبار سے ہی کاموں میں برکت پیدا فرماتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے جن حضرات کا تعلق رہا ہے اور جن طلباء نے وہاں اپنی تعلیم کی تکمیل کی ہے ان کی ملّی خدمات کا تذکرہ اگر تفصیل سے کیا جائے تو ہزاروں دفتر درکار ہیں۔

مدرسہ عربی دیوبند کے قیام کا جو اعلان مورخہ ۱۹ محرم ۱۲۸۳ھ کو منشی فضل حق صاحب دیوبندیؒ نے تحریر فرمایا تھا، جو ہم ابھی گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں، اسمیں مدرسہ کیلئے مدرسہ عربی فارسی و ریاضی کے الفاظ تحریر کئے گئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مدرسہ کے قیام کے وقت

اس کے بانیوں کے پیش نظر یہاں عربی اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ریاضی اور فارسی کی تعلیم بھی تھی۔ اس زمانے میں فارسی کی بڑی قدر و منزلت تھی اور یہ خصوصاً مسلمانوں کے علمی طبقے کی زبان تھی، چاہے بول چال میں عام نہ ہو لیکن لکھنے پڑھنے میں اسی کا رواج مسلمانوں کے علمی طبقے میں عام تھا۔ سرکاری کام کاج میں بھی اس زبان کا کافی عمل دخل تھا۔ رہا سوال ریاضی کا تو اس کے مبادیات کا علم دراصل دینی تعلیم کے لئے ضروری ہے کیونکہ میراث کے حصوں کی تقسیم اور زکوٰۃ وغیرہ کے حساب کے لئے ریاضی کی ضرورت پڑتی ہے۔ آگے چل کر یہ ادارہ ترقی کر کے قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم کا ایک اہم اور ممتاز ادارہ بن گیا۔ آج نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ پوری دنیا میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل حضرات دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمات و اثرات کا اگر جائزہ لیا جائے تو دارالعلوم دیوبند ایک مینارۂ نور کی حیثیت سے روشنی پھیلاتا نظر آتا ہے۔ مدرسہ عربی دیوبند کا قیام صاف طور سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی توجہات، دعاؤں اور اس دینی تربیت کا ثمرہ ہے جو حاجی صاحبؒ نے اس ادارہ کے بانیان کی خصوصی طور سے فرمائی تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نہ صرف اس عظیم دینی تعلیمی ادارے کے بانیان و سرپرستان کے ہی مرشد تھے بلکہ دارالعلوم کے ان فاضل طلباء کے بھی مرشد تھے جنہوں نے اس ادارے سے تعلیم حاصل کر کے پوری دنیا میں اسلام کا نام روشن کیا جیسے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

گذشتہ سو سالوں میں ہندوستان کے کسی روحانی پیشوا کا اتنا

ہمہ گیر فیض نظر نہیں آتا جتنا حضرت حاجی صاحبؒ کا فیض جاری و ساری ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مدرسہ (دار العلوم) دیوبند کا قیام بھی در اصل اسی فکر کا نتیجہ تھا جس نے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے ساتھیوں اور مریدوں کو ۱۸۵۷ء میں عملی طور سے جہاد کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس جہاد کے شرکاء میں سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اس مدرسہ کے بانیان میں سے ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی مدرسہ کے قیام کے بعد اس کے سرپرستان میں رہے ہیں۔ وہی جذبہ جس نے ہندوستان میں اسلام کی سربلندی کے لئے تلوار اٹھانے کے لئے ان اللہ والوں کو آمادہ کیا تھا اسی جذبۂ دینی نے مسلم حکومت کے خاتمے کے بعد ان بزرگان دین کو ہندوستان میں اسلام کی بقاء اور تحفظِ علم کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مدرسہ عربی دیوبند قائم کرنے کیلئے ابھارا۔

جناب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے سوانح قاسمی میں مندرجہ ذیل واقعہ لکھا ہے:

"میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو اس وقت دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم تھے) کے فرستادہ کی حیثیت سے حضرت الاستاذ شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بطور پیغام رساں حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کا صحیح سیاسی مسلک کیا ہے؟ یہ پیغام سناتے ہی میں نے دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے، اور ارشاد فرمایا:

"حضرت الاستاذ (حضرت نانوتویؒ) نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم و تعلّم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے

تاکہ ۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔"

دراصل حضرت شیخ الہندؒ کا مندرجہ بالا بیان یہ واضح کر دیتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں جن لوگوں نے ۵۷ء میں جہاد کیا تھا ان کے پیش نظر ۵۷ء کی ناکامی کی تلافی تھی اور دارالعلوم کا قیام بھی ان کوششوں کے سلسلے کی اہم ترین کڑی ہے۔ پیر و مرشد نے خدمتِ اسلام کی جو روح اپنے خصوصی خلفاء میں پھونکی تھی اس کا اظہار دارالعلوم کے قیام کی شکل میں ان حضرات کے ہاتھوں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے نورانی ساتھیوں اور خلفاء کی خدمات جلیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حاجی سید محمد عابدؒ

حاجی سید محمد عابد صاحب مدرسہ عربی دیوبند کے بانی ہیں ۔ بعد میں ترقی کرکے حاجی صاحب کا لگایا ہوا یہ مبارک پودا ایک گھنا، سایہ دار اور تناور درخت بنا اور دارالعلوم دیوبند کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہوا ۔ زیر نظر مقالہ میں حاجی عابد رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب اعلیٰحضرت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے قابل قدر اور نامور خلیفہ ہیں ۔ حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے سید عابد حسینؒ کو تاکید فرمائی تھی کہ وہ مدرسہ عربی دیوبند کی سعی اور کوشش کرنے کیلئے ہندوستان میں ہی رہیں ۔ بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید سید عابد حسینؒ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہو اور مستقل حجاز مقدس میں رہنے کا خیال حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ظاہر کیا ہو لیکن ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کو ہمیشہ اجتماعی خیر کثیر کے کاموں کی فکر رہتی تھی اور صرف انفرادی اصلاح آپ کے نزدیک کافی نہیں تھی ۔ خود حاصل کرنے کے بعد دوسروں تک رشد و ہدایت کو پہنچانا بھی ضروری ہے یہی تصوف کا طریقہ کار ہے اور اسی میں بیعت اور خلافت کے رموز پنہاں ہیں ۔ پھر ہر شخص کی فطری اور جبلی صلاحیت کا صحیح اندازہ لگا کر اس کو ایسے کام میں لگانا جو اس کی طبیعت کے عین مطابق ہو اور جس سے اس کی استعداد کا بہترین مصرف ہو یہ ہادیٔ اعظم نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صوفیاء کرام نے اس سنت پر عمل کرتے ہوئے جانے کتنے جواہر ناتراشیدہ کو تراش کر آب و تاب اور چمک عطا کی ۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو اس کا زبردست ملکہ تھا ۔ چنانچہ سید عابد حسینؒ کے متعلق آپ کی نگاہ قدرشناس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اللہ کو ان کے ذریعے مدرسہ دینی (دارالعلوم دیوبند) کے قیام و استحکام کا کام لینا ہے

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے تذکرہ میں ہم اسی مقالے میں حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا مکتوب گرامی سید عابد حسینؒ کے نام نقل کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں قابل غور بات یہ ہے کہ حاجی صاحب کا سید صاحب کو یہ فرمانا کہ "میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق میں ہندوستان میں رہنا اور مدرسہ دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ (معظمہ) مدینہ (منورہ) کے رہنے سے افضل ہے" جناب حاجی سید عابد حسین کی حیثیت اور استعداد کے پیش نظر خصوصی طور سے تھا، ..... کیونکہ اس وقت حاجی سید عابد حسینؒ کی شخصیت دیوبند میں ایسی جلیل القدر تھی کہ مدرسہ کے قیام اور اسکے استحکام کے لئے ان کا دیوبند میں رہ کر مدرسہ کی ترقی کیلئے کام کرنا بہت ضروری تھا۔ دراصل سید عابد حسینؒ نے ہی مدرسہ دیوبند کی تاسیس کی، سب سے پہلے خود چندہ دیا اور خود ہی جاکر دوسرے حضرات سے چندہ کی پہلی رقوم وصول کیں۔ ان واقعات کی تفصیلات بھی اسی مقالے میں قیام دارالعلوم کے باب میں درج ہیں۔

مدرسہ دیوبند کے قیام کے سلسلے میں سید عابد حسینؒ کی اہمیت کا اندازہ ان الفاظ سے ہوتا ہے جو بانیان مدرسہ میں سے ایک بزرگ مولانا ذوالفقار علیؒ نے فرمائے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے:

"مدرسہ دیوبند کو سلطان روم بھی بغیر حاجی محمد عابد صاحب کی مدد کے نہیں چلا سکتا" [۱۴۰]

مدرسہ کے بانیان میں سے ایک اور اہم رکن مولانا فضل الرحمٰنؒ نے بھی اپنی مشہور نظم میں انہیں "مرد حق"۔ "عابد صداقت کیش" اور طائر ہمایوں فال" وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرما کر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ اشعار بھی قیام دارالعلوم کے باب میں شریک مقالہ ہیں۔ [۱۴۱]

جناب مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے بسوا نحمری مولانا محمد قاسم نانوتویؒ میں تحریر فرمایا ہے:

"وہی زمانہ تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی، اور مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی ذوالفقار علی اور حاجی محمد عابد صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں" ۱۴۲

تاریخ قیام مدرسہ دیوبند کے مطالعہ سے ہر جگہ حاجی سید عابد حسینؒ کا نام نامی بانیان مدرسہ میں سرفہرست نظر آتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی شروع سے ہی مدرسہ کے قیام و انتظام میں شریک کار تھے اور آپ کا نام بھی اعلان قیام مدرسہ عربی دیوبند میں بانیان کے ناموں میں شامل ہے لیکن تاسیس مدرسہ دیوبند میں سبقت کی فضیلت ہمارے سید عابد حسینؒ کے ہی نصیب میں تھی۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جیسا کہ اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مکتوب گرامی سے ظاہر ہے کہ مدرسہ دیوبند کی خدمت سید عابد حسینؒ کے ذمے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق تھی اور مرشد برحق حاجی امداد اللہ صاحب نے بھی اپنے نور باطن کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ سید عابد حسینؒ سے اللہ کو مدرسہ دیوبند کا کام لینا ہے۔ اس مکتوب گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حاجی امداد اللہ صاحب کے حکم کے مطابق سعادت مند مرید سید عابد حسینؒ مدرسہ دیوبند کے کام میں مشغول ہونے کیلئے حجاز مقدس سے واپس ہندوستان تشریف لائے تو انھیں یہاں آکر یقیناً کوئی بشارت ہوئی ہوگی اور اسکی اطلاع پاکر حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مسرور ہوکر یہ تحریر فرمایا "الحمد للہ وہاں جاکر بھی

آپ کو یہی حکم ہوا۔ سو اب تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جاوے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اسکی رضامندی میں فنا کردو۔" ۱۴۳

اعلیحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سے سید عابد حسین رح کا تعلق بیعت وارادت کا بھی تھا اور خلافت و اجازت کا بھی۔ اس مکتوب نورانی سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح نے سید عابد حسین رح کو حکم دیا تھا کہ وہ ہندوستان واپس جاکر مدرسہ دیوبند کا کام آگے بڑھائیں اور ان کے لئے یہ خدمت مکہ مدینہ کے رہنے سے افضل ہے۔ بعد میں ہندوستان واپسی پر سید صاحب کو بھی یہی حکم ہوا جیسا کہ مکتوب میں تحریر ہے۔ یہ "حکم" میرا غالب گمان ہے رویائے صالحہ کی قسم میں ہوگا کہ اکثر اللہ کے فضل سے ایسا ہو جاتا ہے اور حدیث شریف میں بھی اس کی صراحت ہے۔ حضرت حاجی صاحب کا سید صاحب کو تحریر فرمانا کہ وہ کام کرو جس میں اللہ اور رسول کی مرضی ہو یہ بتلاتا ہے کہ غالباً سید عابد حسین رح کو اپنے جد مکرم ہادیٔ اعظم سرور کونین رسول مقبول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی ہوگی اور مدرسہ دیوبند کا کام کرنے کا حکم سید صاحب کو دیا گیا ہوگا جبھی تو حاجی امداد اللہ صاحب رح کی تحریر اتنی واضح ہے کیونکہ قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے کہ جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی (گویا) اطاعت کی۔ اس مکتوب کے مندرجات سے پیر و مرید اور مدرسہ کے باہمی تعلق اور عنداللہ مقبولیت اظہر من الشمس ہے۔

حاجی سید عابد حسین رح کا سال ولادت ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء ہے۔ قرآن شریف اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد آپ اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ ایک پاک باطن اور نیک طینت بزرگ تھے۔ شروع سے ہی آپ

کو تزکیہ باطن اور تعلق مع اللہ کی فکر تھی ۔ سوانح مخطوطہ کے مصنف منشی فضل حق دیوبندی کی تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے سوانح قاسمی میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی حاجی عابد حسینؒ کے حالات مختصراً تحریر فرمائے ہیں ۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاجی عابد حسینؒ کی ذات گرامی کو اللہ نے مقبول خلائق اور مرجع عوام و خواص بنایا تھا ۔ سوانح مخطوطہ کی روایت ہے:

"آپ کی صورت کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے"

آگے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ ۱۴۴

"پابندی وضع، استقلال طبع، اولوالعزمی، خوش تدبیری آپکی مشہور ہے۔"

پہلے عابد حسینؒ صاحب رام پور منہیاران (ضلع سہارنپور) کے ایک بزرگ میاں جی کریم بخش چشتیؒ کے مرید ہوئے اور ان سے خلافت پائی ۔ اس بارے میں ایک روایت مندرجہ ذیل ہے:

"حاجی صاحب (سید عابد حسینؒ) کے پیر میاں جی کریم بخشؒ رام پوری نے خواب دیکھا کہ آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ہے، اسکے گرد اور بہت سے ستارے ہیں، بڑا ستارہ ان کی گود میں آگیا ہے، میاں جیؒ نے صبح کو مریدین سے فرمایا کہ مجھ سے کوئی سید بیعت ہوگا، متبع سنت ہوگا ۔ اس سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچے گا، اور وہ بہت سے دینی کام انجام دے گا۔" ۱۴۵

چنانچہ یہ بشارت پوری ہوئی اور سید عابد حسینؒ کی ذات گرامی سے عوام و خواص کو بہت فیض پہنچا اور انہوں نے مدرسہ دیوبند (جو اب دارالعلوم ہے) قائم کرکے اور دیوبند کی جامع مسجد تعمیر کرکے زبردست دینی خدمات انجام دیں ۔

دیوبند کی موجودہ جامع مسجد کا کام بھی اللہ نے حاجی سید عابد حسین رح کے مبارک ہاتھوں سے ہی لیا - اس جامع مسجد کی بنیاد رکھنے کا سال ۱۲۸۳ھ ہے اور تقریباً چار سال بعد اسکی تعمیر مکمل ہوئی - یہی زمانہ دارالعلوم (جو ابتدا میں مدرسہ تھا) کے قیام کا بھی ہے[۱۴۶] - گویا تقدیر الٰہی یہی تھی کہ دیوبند میں مسلمانوں کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی کا کام سید عابد حسین رح کے مبارک ہاتھوں سے شروع کرایا جائے۔
جامع مسجد کی صدر محراب پر جو پتھر لضب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے:

"۔۔۔۔ مہتمم تعمیر صافی ضمیر حاجی محمد عابد صاحب سلمہٗ ربہٗ"

اسی زمانے میں ایک بزرگ سید جمیعت علی نے جامع مسجد دیوبند کی تعمیر کے سلسلے میں ایک مثنوی تحریر فرمائی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے:[۱۴۷]

پیر جی عاشق علی کے نور عین　　بانیٔ مسجد ہوئے عابد حسین

تاریخ دیوبند میں جناب سید محبوب رضوی نے تعمیر جامع مسجد دیوبند کے بارے میں ایک اشتہار نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

"حضرت حاجی محمد عابد صاحب رح نے خواب میں دیکھا کہ اس مقام پر جہاں اب جامع مسجد واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے ایک طشت رکھا ہوا ہے جو دودھ سے بھرا ہوا ہے، داہنی جانب ایک شخص ہے جو روپیہ لا لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انبار لگا رہا ہے، آپ نے حاجی صاحب رح سے ارشاد فرمایا کہ "یہاں مسجد بنانا شروع کر دو۔"[۱۴۸]

مدرسہ عربی دیوبند اپنے ابتدائی چند سالوں میں جامع مسجد دیوبند میں بھی قائم رہا ہے - بعد میں مولانا قاسم نانوتوی رح کی رائے سے دارالعلوم کی علیحدہ

عمارت تعمیر کی گئی ۔ اس بارے میں حاجی سید عابد حسینؒ کو مولانا قاسم کی تجویز سے اختلاف تھا ۔ عابد حسینؒ صاحب کا خیال تھا کہ جامع مسجد کی عمارت ، اسکے دالان اور حجرے وغیرہ مدرسہ کے لئے کافی ہیں لہذا الگ عمارت بنوا کر مسلمانوں کا روپیہ کیوں زیادہ خرچ کیا جائے ۔ اس وقت کے مطابق یہ بات درست بھی تھی لیکن مولانا قاسمؒ کی رائے تھی کہ طلباء آزاد طبیعت کے ہوتے ہیں اور اگر دارالعلوم جامع مسجد میں ہی رہا تو مسجد کے انتظام میں خلل پڑے گا اور شہریوں کو شکایت پیدا ہوگی ۔ پھر مولانا قاسم نانوتویؒ کے پیش نظر دارالعلوم کی توسیع اور اسکے مستقبل کی ترقیات پر بھی تھی ۔ بالآخر حاجی عابد حسینؒ کو بھی انہوں نے راضی کر ہی لیا اور مسجد سے الگ مدرسہ کی عمارت بنوانے میں اپنا ہم نوا بنا لیا [149]

قیام مدرسہ دیوبند کے دوسرے سال یعنی ۱۲۸۴ھ میں [150] حاجی عابد حسین صاحب نے بیت اللہ شریف کا عزم فرمایا اور انداز کچھ ایسا تھا کہ گویا پھر واپس ہندوستان تشریف نہیں لائیں گے ۔ چونکہ حاجی عابد حسین صاحب ہی مدرسہ کے بانی ، مہتمم اول بلکہ اصل الاصول تھے لہذا لوگوں کو مدرسہ کیطرف سے فکر ہوئی ۔ ادھر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جن سے سید عابد حسینؒ بیعت کر چکے تھے اور خلافت پا چکے تھے ، یہ حکم دیا کہ ہندوستان واپس جا کر مدرسہ کا کام کرو اور پھر یہی حکم یہاں آ کر انھیں بھی ہوا لہذا دوبارہ عابد حسین صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم بنا دیئے گئے ۔

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے آپ عرصہ دراز تک رکن رہے ۔ تین مرتبہ اس کے مہتمم بنے ۔ پہلی مرتبہ اسکی تاسیس سے ۱۲۸۴ھ تک ۔ دوسری مرتبہ ۱۲۸۶ھ سے ۱۲۸۸ھ تک اور تیسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ تک ۔ کل ملا کر یہ زمانہ دس سال ہوتا ہے ۔ [151]

ان کارناموں کے علاوہ اہل دیوبند اور دور دراز کے علاقوں کے لوگوں کو

سید عابد حسینؒ کے تعویذات پر بڑا اعتقاد تھا اور آپ کی ذات بابرکات سے خلق خدا کو بڑا فائدہ پہنچتا تھا۔ ۱۵۲

آپ کی وفات پنجشنبہ، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء کو اکیاسی سال ۱۵۳ کی عمر میں ہوئی اور دیوبند میں آپ کا مزار شریف ہے۔ راقم الحروف نے آپ کے مزار پر حاضری کی سعادت حاصل کی ہے اور لوح مرقد پر یہ تحریر کندہ دیکھی ہے کہ حاجی سید عابد حسینؒ بانی دارالعلوم کا مزار ہے۔

"مدار المہام بہشت بریں" مادہ سن وفات قرار پایا۔

اعلیحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے سید عابد حسینؒ کو خلافت عطا فرمائی تھی اور حاجی صاحبؒ کی تربیت روحانی اور توجہ باطنی سے آپ نے جتنا فیض پایا وہ آپ کے کارناموں سے ظاہر ہے۔ سید عابد حسینؒ کی شخصیت اور کارناموں سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے اثرات نمایاں طور سے نظر آتے ہیں۔

جناب حاجی سید محمد عابدؒ کے نام کے بارے میں جناب سید محبوب رضوی نے تاریخ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ حاجی سید محمد عابد صاحب کی اپنی کسی تحریر میں عابد حسین نام لکھا ہوا نہیں ملتا لیکن جو شعر خود محبوب رضوی صاحب نے تعمیر جامع مسجد کے سلسلہ میں اپنی پہلی تصنیف تاریخ دیوبند میں نقل کیا ہے جو ہم ابھی تحریر کر چکے ہیں اسمیں صاف لکھا ہے "بانی مسجد ہوئے عابد حسین" پھر سوانح قاسمی میں بھی مولانا گیلانی نے آپ کا نام سید عابد حسین ہی لکھا ہے۔ لہٰذا نام پورا تو محمد عابد حسین ہی ہے ہو سکتا ہے بعد میں صرف محمد عابد ہی اختیار کر لیا ہو۔ اعلیحضرت حاجی صاحب کا نام بھی شروع میں امداد حسین ہی رکھا گیا تھا جسے بعد میں بدل کر امداد اللہ کر دیا گیا تھا۔ ۱۵۴

باب ہشتم۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء اور ان کی خدمات و اثرات

تیرھویں صدی ہجری کے ثلث آخر میں اور اس کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ کے سلسلے کو جو وسعت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے رشد و ہدایت کا جو سوتا پھوٹا اس نے پورے برصغیر، ایشیا اور اس سے بھی گذر کر دنیا بھر کے ملکوں کو ایمان و یقین کی سوغات تقسیم کی اور معرفت و سلوک کی دولت لٹائی، علم کی روشنی عام کی اور تصنیف و تالیف کے ذریعے سے ہزاروں لاکھوں بے چین روحوں کو تسکین قلب اور طمانیت و نشاط کی دولت عطا کی۔ گذشتہ سوا سو سالوں میں لاکھوں کروڑوں افراد نے اس گنج گرانمایہ سے فیض حاصل کیا، کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

حضرت حاجی صاحب کے خلوص اور جذبۂ اندرون نے اس سلسلے کو اس قدر فروغ بخشا کہ اس وقت تک اکثر مذہبی، علمی اور سیاسی تحریکات کا سب سے بڑا منبع اور سرچشمہ سلسلۂ امداد اللہی رہا ہے۔ اور برصغیر ہند و پاکستان اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں کے بیشتر مذہبی، علمی، سیاسی کارنامے، اور تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق کے مراکز کسی نہ کسی طرح حضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکات سے وابستہ اور ان کے خلفاء و متوسلین کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، اور اس دور میں سلسلۂ صابریہ کو جو عروج و فروغ حاصل ہوا اس کا شرف بھی حضرت حاجی امداد اللہ کے حساب میں ہے۔ درحقیقت اس دور میں حضرت حاجی امداد اللہ ہی سلسلہ صابریہ کے امیر ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نورانی اثرات نے کس طرح ایک صالح انقلاب برپا کیا اور ان کی تعلیمات، ان کے خلفاء اور متوسلین نے کہاں کہاں اپنے نقوش ثبت کئے ان کا ایک جامع مرقع پروفیسر

خلیق احمد نظامی نے ترتیب دیا ہے۔ نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"میاں جی نور محمد جھنجھانوی المتوفی سنہ ۱۲۵۹ھ کے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص اٹھا جس نے سلسلہ صابریہ کو عروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہے، دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ان کے اثرات پہنچے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سنہ ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۶ء میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد حجاز چلے گئے، وہاں سے واپس آئے تو ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دل و دماغ کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ انیسویں صدی کی تین عظیم الشان تحریکوں کا منبع و مخرج تھے۔

مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کر لی، ان ہی کے خلفاء و مریدین کی پرخلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (المتوفی سنہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفی سنہ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء)، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حاجی محمد عابد صاحب ان کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد قاسمؒ کے جانشین تھے۔ ان ہی بزرگوں کی کوشش سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔

باطنی اصلاح و تربیت کے لئے انیسویں صدی کے آخر

اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی حاجی صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ دوسرے بزرگ جن کی تحریک کو بہت وسعت اور گیرائی حاصل ہوئی مولانا محمد الیاس تھے، وہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے، جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انھیں عطا فرمایا تھا اسکی مثال اِس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو انہوں نے جس طرح جذب کیا تھا وہ اس دور کے بہت کم بزرگوں کو میسر آیا۔

انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادی وطن کی تھی، اس سلسلے میں خود حاجی صاحب اور ان کے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر کے زمانہ میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادی وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحب کے قلب وجگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا خود انہوں نے اور انکے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لئے جن مصائب کا سامنا کیا تاریخ ہند کا کوئی دیانتدار مورخ ان کو بھلا نہ سکیگا۔" 154

حضرت حاجی صاحبؒ نے ان خدمات کیلئے جو افراد تیار کئے اور جن اصحاب کو خلافت و اجازت سے نوازا ان کا کوئی مفصل جائزہ ابھی تک تیار نہیں کیا گیا، نام شماری کی حد تک حاجی صاحب کے خلفاء کی مفصل ترین فہرست جناب نفیس الحسینی نے مرتب کی ہے، اس میں کچھ اضافہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی امروہوی نے کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اضافہ کی اور بھی گنجائش ہے۔ یہی فہرست یہاں درج کی جارہی ہے:۔

خلفاء و خصوصی مستفیدین:

۱۔ مولانا سید ابوالقاسم ہسوی فتح پوریؒ۔
۲۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ۔
۳۔ مولانا احمد حسن کانپوریؒ۔
۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامتؒ۔
۵۔ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ۔
۶۔ مولانا انوار اللہ فضیلت جنگ حیدرآبادیؒ۔
۷۔ مولانا شاہ بدرالدین پھلواروی ؒ
۸۔ مولانا جلیل احمد صاحبؒ۔
۹۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ۔
۱۰۔ مولانا سید حمزہ دہلویؒ۔
۱۱۔ مولانا حیدر حسن ٹونکیؒ۔
۱۲۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔
۱۳۔ سید خورشید حسن دیوبندیؒ۔

۱۴۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ۔
۱۵۔ مولانا رفیع الدین عثمانی دیوبندی۔
۱۶۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔
۱۷۔ مولانا سخاوت علی انبہٹویؒ۔
۱۸۔ مولانا شفیع الدین نگینوی مہاجر مکیؒ۔
۱۹۔ مولانا شفیع الدین نورنگ آبادی بلند شہریؒ۔
۲۰۔ مولانا شرف الحق صدیقی دہلویؒ۔
۲۱۔ مولانا صفات احمد غازی پوریؒ۔
۲۲۔ مولانا حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ۔
۲۳۔ مولانا سید عبدالحئی چاٹگامیؒ۔
۲۴۔ مولانا سید عبدالرحمٰن کاندھلویؒ۔
۲۵۔ مولانا عبدالرحمٰن صدیقی امروہویؒ۔
۲۶۔ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ۔
۲۷۔ مولانا عبدالسمیع بیدل رام پوریؒ۔
۲۸۔ سید عبدالفتاح بن سید مصطفیٰؒ۔
۲۹۔ مولانا عبداللہ انصاری انبہٹویؒ۔
۳۰۔ مولانا شاہ عبداللہ جلال آبادیؒ۔
۳۱۔ سید محمد عبداللہ شاہ دیوبندیؒ۔
۳۲۔ مولانا عبدالواحد بنگالیؒ۔
۳۳۔ مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ۔
۳۴۔ میرجی عطاء اللہ پالنپتیؒ۔

۳۵۔ مولانا عنایت اللہ مالوی رح۔
۳۶۔ مولانا فتح محمد تھانوی رح۔
۳۷۔ مولانا سید فدا حسین رضوی دربھنگوی رح۔
۳۸۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری رح۔
۳۹۔ مولانا قادر بخش سہسرامی رح۔
۴۰۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رح۔
۴۱۔ سید قاسم علی دیوبندی رح۔
۴۲۔ مولانا کرامت اللہ دہلوی رح۔
۴۳۔ مولانا کرامت علی انبالوی رح
۴۴۔ مولانا محب الدین مہاجر مکی رح۔
۴۵۔ مولانا ابراہیم اجراڑوی رح
۴۶۔ مولانا محمد احسن وحشی نگرامی رح
۴۷۔ مولانا محمد احمد نانوتوی رح۔
۴۸۔ مولانا قاضی محمد اسمٰعیل رح۔
۴۹۔ مولانا افضل بخاری ولایتی رح مقیم آگرہ۔
۵۰۔ مولانا محمد حسن پانی پتی رح
۵۱۔ سید شاہ محمد حسن دیوبندی رح۔
۵۲۔ مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی رح۔
۵۳۔ مولانا خلیل الرحمٰن رڑکوی رح۔
۵۴۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی رح۔
۵۵۔ مولانا حکیم محمد صدیق مرادآبادی رح۔

۵۶۔ مولانا عابد حسین دیوبندیؒ۔
۵۷۔ مولانا محمد علی مونگیری۔ؒ
۵۸۔ مولانا منشی محمد قاسم نیانگریؒ
۵۹۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
۶۰۔ مولانا محمد یوسف تھانویؒ
۶۱۔ شیخ محمود طرابلسیؒ
۶۲۔ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
۶۳۔ نواب محی الدین احمد خاں مراد آبادیؒ
۶۴۔ شیخ مصطفیٰ لاذقیہؒ
۶۵۔ مولانا محی الدین خاطر میسوریؒ
۶۶۔ مولانا منظور احمد صاحبؒ
۶۷۔ پیر میر علی شاہ گولڑویؒ
۶۸۔ مولانا حاجی نور محمد صاحبؒ
۶۹۔ شاہ نیاز احمد مکیؒ
۷۰۔ شاہ وارث حسن دیویؒ۔ ۱۵۷

ان ناموں میں حضرت کے خصوصی مستفیدین کے بھی نام آگئے ہیں مثلاً مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کیونکہ ان کو خلافت حضرت گنگوہیؒ سے حاصل تھی لیکن تذکرۃ الرشید اور نقش حیات میں انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے استفادہ باطنی حاصل کرنے کا اقرار کیا ہے۔
مخصوص خلفاء کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جا رہا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام نامی دینی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل حضرات میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے نام کے آگے فخر کے طور پر "قاسمی" لگاتے ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے وطن نانوتہ (ضلع سہارنپور) سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا خاندانی تعلق تھا۔ چنانچہ مولانا یعقوب نانوتویؒ نے سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی میں تحریر فرمایا ہے:

"جناب مخدوم العالم حاجی امداد اللہ صاحب سے جو ربط نسب کا تھا، حضرت مخدوم کی ننہال ہمارے خاندان میں تھی اور بہن ان کی یہاں بیاہی تھی، اکثر نانوتہ تشریف لاتے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نہایت محبت و اخلاص فرماتے۔ جزوبندی کتاب کی حضرت سے ہم دونوں نے سیکھی اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کی جلدیں باندھیں۔" [158]

مولانا یعقوبؒ کے بیان کے مطابق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ننہیال بھی نانوتہ میں تھی اور ان کی بہن کی سسرال بھی وہیں تھی۔ اس طرح نانوتہ میں اعلیٰحضرت کی دوہری رشتہ داری تھی۔ پھر مولانا یعقوبؒ نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ حاجی صاحبؒ کی رشتہ داری (ننہیال) ان کے اور مولانا قاسمؒ کے خاندان میں تھی۔ کیونکہ مولانا یعقوب اور مولانا محمد قاسمؒ کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا۔ [159]

مولانا قاسم نانوتویؒ کی ولادت باسعادت قصبہ نانوتہ میں

سنہ ۱۲۴۸ھ میں ہوئی۔ تاریخ پیدائش اور مہینہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مہینے کے اختلاف کی وجہ سے ہجرت کا یہ سن عیسوی کیلنڈر کے حساب سے سنہ ۱۸۳۲ء یا سنہ ۱۸۳۳ء ہو سکتا ہے۔ ہجری حساب سے آپ کا تاریخی نام "خورشید حسین" رکھا گیا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضؓ میں جا پہنچتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے گھر والوں نے آپ کا نام محمد قاسم رکھا۔ آپ کے والد کا نام اسد علی تھا۔

اس زمانے کے قاعدے کے مطابق حضرت نانوتویؒ کی ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی۔ قرآن شریف اور ابتدائی کچھ کتابیں پڑھنے کے بعد آپ کو دیوبند بھیج دیا گیا جہاں آپ نے مولوی مہتاب علی کے مکتب میں تعلیم حاصل کی اور وہاں سے سہارنپور چلے گئے جہاں ان کے نانا رہتے تھے۔ وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوریؒ سے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اور پھر والد صاحب سے اجازت لیکر مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے ساتھ تحصیل علم کے لئے دہلی چلے گئے۔ شروع محرم سنہ ۱۲۶۰ھ میں مولانا قاسم صاحب نے دہلی میں کافیہ پڑھنا شروع کیا اور پھر تو ایسا علم حاصل کیا کہ باید و شاید اور اللہ نے آپ کو قاسم العلوم کے نام سے دنیا میں مشہور کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی اسی زمانے میں آپ کے ہم سبق تھے اور مولانا یعقوب نانوتویؒ بھی ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ مولانا قاسمؒ نے مولانا مملوک علیؒ سے منطق، فلسفہ اور علم الکلام کی کتابیں میر زاہد۔ قاضی، صدرا۔ شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں اور ریاضی کی تعلیم بھی ان ہی کی زیر ہدایت حاصل کی۔ بعد میں مولانا مملوک علیؒ نے انہیں سرکاری مدرسہ عربی میں داخل کیا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ مولانا کا علم انگریزی سرکار کی سند

کامرہون منت ہو چنانچہ مولانا قاسم سرکاری مدرسہ کے سالانہ امتحان
میں شریک نہ ہوئے اور مدرسہ چھوڑ دیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ
علیہ کو حدیث شریف پڑھنے کی سعادت حضرت شاہ عبد الغنی رح سے حاصل ہوئی۔ ۱۴۲
یہ شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کی برکت تھی کہ اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم
نانوتوی رح کو ہندوستان میں علم حدیث پھیلانے کے لئے دار العلوم دیوبند کے قیام
و استحکام کے لئے قبول فرمایا۔ شاہ عبد الغنی رح سے حدیث کی تعلیم پوری کرنے
کے بعد مولانا قاسم نانوتوی رح نے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ
کے چھاپہ خانہ میں، جو مطبع احمدی کے نام سے دہلی میں قائم تھا، نوکری کرلی اور
تصحیح کتب کی خدمت اپنے ذمہ لی۔

آپ زمانۂ طالبعلمی میں ہی اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح
سے مرید ہو گئے تھے اور دہلی سے وطن جاتے ہوئے یادِ الٰہی پر تھانہ بھون ٹھہر
کر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ مولانا نانوتوی رح شروع
میں نکاح پر راضی نہ تھے جبکہ ان کے والد دیوبند میں رشتہ کی بات کر چکے تھے،
بالآخر حضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ سے کہلوایا گیا تو حضرت نے نکاح
فرمایا۔ مولانا یعقوب نانوتوی رح نے مولانا قاسم صاحب رح کے والد کی ایک شکایت
جو حضرت حاجی صاحب قبلہ سے کی تھی نقل فرمائی ہے اور حاجی امداد اللہ کا جواب بھی
تحریر فرمایا ہے جو انہوں نے مولانا قاسم رح کے والد کو ارشاد فرمایا تھا۔ مولانا
یعقوب تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا کے والد نے حاجی صاحب سے کہا:

"بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ امیدیں
تھیں کچھ کماتا تو ہمارا یہ افلاس دور ہو جاتا۔ تم نے اسے
خدا جانے کیا کر دیا کہ یہ نہ کچھ کماتا ہے نہ نوکری کرتا ہے

"حضرت اس وقت تو ہنس کر چپ ہو رہے پھر کہلا بھیجا کہ یہ
شخص ایسا ہونے والا ہے کہ وہ سو پچاس والے سب اس
کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہوگی کہ اسی کا نام
ہر طرف پکارا جائے گا، اور تم تنگی کی شکایت کرتے
ہو، خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا کچھ دے گا کہ ان نوکروں
سے یہ اچھا رہے گا۔" ۱۶۳

اور اللہ تعالیٰ نے سید الطائفہ پیر روشن ضمیر کی اس بشارت کو پورا کیا اور حضرت قاسم نانوتوی رح کو جو شہرت اور رتبہ اللہ نے عطا فرمایا اس کی شہادت دینے کے لئے دار العلوم دیوبند موجود ہے۔ مولانا قاسم کے بارے میں حاجی امداد اللہ کا ارشاد گرامی مولانا اشرف علی تھانوی رح کی روایت سے سوانح قاسمی میں ان الفاظ میں درج ہے:

"حضرت حاجی صاحب یوں فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ
اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے، ایک
لسان (زبان) عطا کرتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس
تبریزی کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے، جنہوں
نے شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان
فرمادیا، اسی طرح مجھکو مولوی محمد قاسم لسان
عطا ہوئے ہیں۔" ۱۶۴

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رح کی تعریف اپنی مشہور تصنیف ضیاء القلوب میں کی ہے جسکا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔

۱۸۵۷ء میں جب حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سپہ سالاری میں جب جہاد کیا گیا تو حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دوسرے اہل اللہ کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بھی اس میں حصہ لیا اور معرکۂ شاملی میں آپ زخمی بھی ہوئے۔ اس کی تفصیلات اس مقالے میں علیحدہ عنوان سے تحریر کی جا چکی ہیں۔ 145

۱۸۵۷ء کے جہاد کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، حافظ ضامن صاحب تو جام شہادت نوش فرما ہی چکے تھے۔ رہے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تو یہ دونوں حضرات روپوش ہو گئے۔ کئی بار گرفتاری کیلئے پولیس آئی لیکن مولانا قاسم نانوتویؒ ہر بار بچ گئے۔ اسی دوران حضرت نے حج بھی کیا اور حجاز پاک جا کر اپنے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ حج کا یہ سفر جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ میں ہوا۔ اسی دوران ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے عام معافی اور امن کا عام اعلان بھی ہو چکا تھا۔ 146

مولانا قاسم صاحبؒ تقریباً ایک سال حرمین شریفین کی زیارت کے بعد حجاز پاک میں رہے اور ۱۸۶۱ء میں واپس ہندوستان تشریف لائے گویا پانچ سال تک حضرت مولانا جہاد ہی میں مصروف رہے۔ 147

آپ کے رفیق جہاد اور دوست اور پیر بھائی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی روپوش رہے لیکن مخبری کی وجہ سے گرفتار ہوئے اور مقدمہ چلا لیکن اللہ نے بری کرا دیا۔ 148

مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ کا زندۂ جاوید کارنامہ آج بھی دارالعلوم دیوبند کی شکل میں موجود ہے۔ جیسا کہ اس مقالہ میں تحریر

کیا جا چکا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رح مدرسہ عربی دیوبند کے بانیان میں سے ہیں اور آپ کا نام نامی حاجی عابد حسین رح اور دوسرے بانیان مدرسہ کے ساتھ اس اعلان میں مہتممان مدرسہ کی حیثیت سے درج ہے جو قیام مدرسہ کے پانچ دن بعد ہی تحریر کیا گیا تھا۔ (یہ اعلان اس مقالے میں قیام دارالعلوم کے عنوان سے مکمل نقل کیا جا چکا ہے)۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

"پھر منشی ممتاز علی صاحب نے میرٹھ میں چھاپہ خانہ کیا، مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی رح) کو پرانی دوستی کے سبب بلا لیا، وہی تصحیح کی خدمت تھی، یہ کام برائے نام تھا مقصود ان کا مولوی صاحب کو اپنے پاس رکھنا تھا۔ احقر اس زمانہ میں بریلی اور لکھنؤ ہو کر میرٹھ میں اسی چھاپہ خانہ میں نوکر ہو گیا۔ منشی جی حج کو گئے تھے۔ اس وقت میں ایک جماعت نے مسلم پڑھی، احقر بھی اس میں شریک رہا۔

وہی زمانہ تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی۔ مولوی فضل الرحمن رح اور مولوی ذوالفقار علی صاحب رح اور حاجی محمد عابد صاحب رح نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں۔ مدرس کے لئے تنخواہ پندرہ روپے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا۔ چند ہی روز گذرے کہ چندہ کو افزونی ہوئی اور مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا۔ مولوی

محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں دیوبند آئے اور
پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے۔" 149

مولانا محمد قاسم نانوتوی رح نے دارالعلوم کی ترقی اور استحکام کے لئے جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ شروع مدرسہ سے ہی اس کے ساتھ رہے۔ پہلے مدرس ملا محمود کا تقرر بھی آپ ہی نے کر کے انھیں دیوبند بھیجا تھا۔ پھر دارالعلوم کی علیحدہ مستقل عمارت کی تعمیر بھی آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ دراصل مدرسہ دیوبند کی ترقی اور استحکام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست اور دلسوزی کا ہی ثمرہ ہے۔ تفصیلات دارالعلوم کے باب میں پہلے ہی لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد اور انگریزی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی عیسائی پادریوں نے اسلام پر حملے کرنے اور عیسائیت کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی آریہ سماجیوں نے بھی اسلام پر تنقید کرنے کا بے ہودہ کام شروع کر دیا تھا۔ انگریزوں نے آزادیٔ رائے کے پس پردہ اسلام پر دو طرفہ حملوں کی اجازت دے رکھی تھی مولانا محمد قاسم رح نے کئی اہم موقعوں پر مناظروں میں پادریوں اور آریہ سماجیوں کو زک دی اور اپنی تقاریر سے اسلام کی حقانیت ثابت کی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح اور مولانا مناظر احسن گیلانی رح نے حضرت کی سوانح میں ان واقعات کی تفصیلات لکھی ہیں۔ 170

اس دور انحطاط میں مولانا محمد قاسم رح کی یہ خدمات ہندوستان میں بقاءِ اسلام کا اہم ذریعہ بنیں۔ آپ نے اسلام کی خدمت میں اپنا سب کچھ

قربان کردیا۔ اخیر عمر میں جب آپ کافی بیمار ہو چکے تھے پنڈت دیانند سرسوتی سے مناظرہ کے لئے آپ نے رڑکی اور میرٹھ کا سفر کیا۔ دراصل مولانا کی پوری زندگی ہی خدمت اسلام کیلئے وقف رہی۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے آپ مخصوص خلفاء میں سے تھے اور حاجی صاحب نے "ضیاء القلوب" میں مولانا کے بارے میں نہایت بلند کلمات تحریر فرمائے ہیں۔ اب سنئے حضرت قاسم نانوتوی رح کا حال کہ آپ کو کس قدر تعلق تھا حضرت حاجی صاحب قبلہ سے۔ اور یہ بھی کہ آپ حضرت حاجی صاحب کے علم لدنی کے کس قدر قائل تھے۔ اپنے ایک سفر حج کے موقع پر مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے تصنیف کردہ رسالہ "آبحیات" کے مسودہ کو پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں پیش کیا اور جب کتاب حضرت حاجی صاحب کو سنادی گئی تو بقول خود مولانا قاسم رح کے، حضرت والا نے "اس ہدیۂ مختصرہ کو قبول فرما کر صلہ والنعام میں دعائیں دیں"۔ آگے خود مولانا تحریر فرماتے ہیں:

> "علاوہ بریں تصحیح وجدانی اور تحسین زبانی سے اس ہیچ مدان کی اطمینان فرمائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی کم مائگی، اور ہیچ مدانی کے سبب جو تحریر مذکور کی صحت میں تردد تھا، رفع ہوگیا۔"

اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے مولانا خود اعتراف کرتے ہیں:

> "میں کہاں اور یہ مضامین عالی کہاں، یہ سب اسی شمس العارفین (حاجی صاحب قبلہ) کی نور افشانی ہے، یہاں بھی مثل زبان و دست و قلم، واسطہ ظہور مضامین مکنونہ دل عرش منزل ہوں۔" [171]

یہ تھی حضرت حاجی صاحبؒ کی علمی حیثیت مولانا قاسم نانوتویؒ کی نظر میں۔
اور کیوں نہو کہ حضرت حاجی صاحب رسول اُمّی کی امت میں تھے اور قرآن نے
علم کے بارے میں اعلان فرمایا ہے " اتیناہ من لدنا علما " - حالانکہ حاجی صاحب
امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ظاہری تعلیم بہت زیادہ نہیں تھی لیکن مولانا قاسمؒ جانتے
تھے کہ علمی اصطلاحات سے قطع نظر حاجی صاحب کو حقیقت علم منجانب اللہ عطا
کی گئی تھی - چنانچہ جب حاجی صاحب نے مضامین عالیہ کی تائید فرمادی تو
مولانا قاسمؒ کو ان مضامین کی حقانیت کا یقین ہوگیا -

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ایک مایۂ ناز تصنیف تو رسالہ "آبحیات"
ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت کی گئی ہے، اور بھی کئی رسالے
ہیں مثلاً "قبلہ نما" جس میں پنڈت دیانند سرسوتی کے فضول اعتراضات
کا جواب ہے - مناظرہ شاہ جہانپور کی کاروائی بھی چھپ چکی ہے جسمیں
مولانا کی تقریر و تحریر شامل ہے - مولانا قاسمؒ کے شاگرد مولانا عبدالعلی
صاحب نے رسالہ "جواب ترکی بہ ترکی" اس ضمن میں مولانا قاسم کی ایماء
سے تحریر فرمایا - اسکے علاوہ مولانا قاسم نانوتویؒ کی ایک تصنیف اور بھی
شائع ہوئی جس کا نام "حجۃ الاسلام" ہے - اسمیں بھی حضرت نے اسلام
پر اعتراضات کا جواب دیا ہے -

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عمر شریف صرف ۴۹ سال ہوئی -
آپ کی وفات جمعرات، ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء بعد نماز ظہر ہوئی - دیوبند
میں دارالعلوم کے قریب ہی آپ کی تدفین ہوئی - ۱۷۲

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نامور اور شہرۂ آفاق خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی ولادت باسعادت قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ ہجری کو پیر کے دن ہوئی۔ ۱۷۳

آپ کا سلسلۂ نسب ماں اور باپ دونوں طرف سے صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد صاحبؒ تھا۔ آپ کی پردادی مسماۃ بوبی حضرت شیخ الشیوخ قطب ربانی عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد تھیں لہٰذا آپ کو شرف نسب حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے بھی حاصل ہے۔ آپ کے والد کا انتقال آپ کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا جب آپ کی عمر شریف صرف سات سال تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کریم النساء نہایت نیک، پاک باطن اور اللہ والی بی بی تھیں۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کے دادا جناب قاضی پیر بخش صاحبؒ نے آپ کی پرورش فرمائی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا رشید احمد صاحبؒ تکمیل تعلیم کیلئے دہلی تشریف لے گئے اور ۱۲۶۱ھ میں دہلی پہنچکر مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد بنے اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے ہم سبق ہوئے۔ حدیث پاک کی تعلیم حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے حاصل کی۔ حضرت شاہ عبدالغنی محدث مہاجر مدنیؒ دراصل شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں تھے اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے والد حضرت شیخ ابوسعیدؒ سے مجاز تھے۔ آپ نے حدیث شریف اپنے والد ابوسعیدؒ اور شاہ اسحاق صاحبؒ سے پڑھی۔ یہ دونوں شاگرد تھے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے۔ ۱۷۴ ہماری مراد اس تفصیل سے یہ ہے کہ حدیث پاک کا علم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایسے اعلیٰ وارفع محدث سے حاصل کیا تھا۔

معقول کا علم استاد العلماء مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے علاوہ آپ نے مفتی صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حاصل کیا۔ اسکے علاوہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ " حضرت مولانا قدس سرہٗ کو حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل تھا "
گویا اللہ نے حضرت گنگوہیؒ کو اس زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع مرحمت فرمایا۔

یہی نہیں بلکہ سعادت ازل سے ہی آپ کے نصیب میں لکھدی گئی تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی شیخ العرب والعجم سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیارت پر انوار سے مشرف ہو چکے تھے۔ ایکدن مولانا گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتویؒ اپنے استاد سے معقول کی کتاب سلّم پڑھ رہے تھے کہ یکایک حاجی امداد اللہ تشریف لے آئے۔ ان کو آتا دیکھ کر مولانا مملوک علیؒ نے شاگردوں سے کہا لو بھئی! کتاب اٹھاؤ حاجی صاحب آرہے ہیں۔ مولانا عاشق الٰہیؒ نے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

" ایک روز یہی سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آ نکلے اور ان کو دیکھ کر حضرت مولوی صاحب (مملوک علیؒ) معہ تمام مجمع کے کھڑے ہو گئے اور فرمایا لو بھائی حاجی صاحب آ گئے حاجی صاحب آ گئے، اور حضرت نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ " لو بھائی رشید اب سبق پھر ہوگا " مجھے سبق کا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ " بھئی یہ اچھا حاجی آیا ہمارا سبق ہی گیا " مولوی

"محمد قاسم صاحب نے کہا ہاہا الیسامت کہو یہ بزرگ ہیں اور
ایسے ہیں ایسے ہیں۔" ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈینگے۔"
اول زیارت مجھے اس وقت ہوئی تھی اسکے بعد سے حضرت
حاجی صاحب ہم دونوں کا حال دریافت فرمایا کرتے اور یوں
کہا کرتے تھے کہ سارے طالب علموں میں وہ دو طالبعلم
(مولانا گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتویؒ) ہوشیار معلوم ہوتے
ہیں اور بس" [۱۷۵]

اعلیحضرت حاجی امداد اللہ کو اللہ تعالیٰ نے شیخ العلماء بنایا تھا۔ اس بارے میں حضرت نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ کی بھاوج جن کے گھر سے حضرت کا اور آپکے مہمانوں کا کھانا آنا مقرر تھا وہ کھانا لیکر آرہی ہیں، اتنے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا ہٹو، حاجی امداد اللہ کے مہمان علماء ہیں ان کی مہمانی ہمارے ذمہ ہے ہم انتظام کریں گے۔ [۱۷۶]
مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اس خواب کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ اس سے قبل علماء کو بیعت نہ کرتے تھے انکار فرمادیتے تھے۔ خواب کے بعد پھر انکار نہیں کیا۔ سمجھ گئے کہ حکم ہے پھر کیسے کیسے علماء بیعت ہوئے جو کہ اپنے وقت کے امام ہیں۔

تذکرۃ الرشید کے مطابق "اعلیحضرت کے اس مبارک خواب کی تعبیر حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے شروع ہوئی اسلئے کہ علماء میں آپ ہی پہلے عالم ہیں جو اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے آپ کے بعد چار دانگ عالم سے جوق در جوق علماء کی آمد شروع ہوئی" مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے حاشیہ پر تحریر فرمایا

ہے کہ حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ "مولوی قاسم صاحب نے اعلیحضرت کی تعریفیں کرکے ہمیں مرید کرایا اور بعد میں اعلیحضرت سے اصرار و کوشش کرکے مولوی محمد قاسم کو ہم نے مرید بنوایا" ۱۴۷

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ حاجی صاحبؒ سے تھانہ بھون میں بیعت ہونے کے ساتھ ان کی خدمت میں پورے بیالیس روز رہے اور جب حضرت سے رخصت ہوئے تو حاجی امداد اللہ صاحب نے حکم دیا کہ تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اسکو بیعت کر لینا - گویا پہلی ہی حاضری میں اور صرف چالیس روز سے دو ایکدن زیادہ کی حاضری میں ہی بیعت بھی ہوئے اور خلیفہ بھی - تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ تھانہ کی حاضری کے دو تین دن بعد آپکو سلاسل اربعہ میں اعلیحضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی اور آپ کو بیعت کرنے کی سفارش حافظ ضامن شہیدؒ نے حضرت حاجی صاحب سے کی - آگے لکھا ہے کہ تینتالیسویں دن آپ تھانہ بھون سے رخصت ہوئے اور اسی دن حاجی صاحب کی اجازت سے مشرف ہوئے - گویا بیعت ہونے کے بعد چالیس روز ضرور حضرت اقدس کی خدمت میں رہے اور اسکے فوری بعد ہی خلافت ملگئی - ویسے بھی صوفیاء کرام کے یہاں چلہ کشی کی بڑی اہمیت ہے - لیکن حاجی صاحب نے مجاہدہ نہیں کرایا ہاں فیضان محبت اور مشغلہ ذکر میں چالیس روز پورے ہوئے -

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ معرکہ شاملی میں آپ ۱۸۵۷ء میں شریک ہوئے - آپ کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ امیر تھے اور آپ کے دوست، ہم سبق اور پیر بھائی مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور دوسرے اہل اللہ اس جہاد میں شریک تھے - حافظ

ضامن صاحب چشتی کو اس جہاد میں جام شہادت نوش کرنے کی سعادت ملی اور آپ نے زخمی ہونے کے بعد مولانا رشید احمد صاحبؒ کے زانوئے مبارک پر سر رکھے ہوئے رفیق اعلیٰ کو لبیک کہا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گذر چکی کہ حاجی صاحب روپوش ہو کر مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے اور مولانا محمد قاسم صاحب بھی روپوش رہے اور کئی بار اللہ نے انھیں گرفتار ہونے سے بچایا۔ لیکن مولانا رشید احمد صاحبؒ کی قسمت میں یوسف علیہ السلام کی سنت کی ادائیگی بھی لکھی تھی چنانچہ ایک مسلمان کی ہی مخبری سے مولانا رشید احمد صاحب گرفتار ہو کر جیل بھیج گئے اور آپ پر مقدمہ بھی چلا۔ تذکرۃ الرشید میں یہ زمانہ یعنی گرفتاری کا سال تخمیناً ۱۲۷۵ھ کا ختم یا ۱۲۷۶ھ کا شروع سال لکھا گیا ہے۔ پندرہ روز سے کچھ زاید آپ سہارنپور جیل میں رہے اور بعد میں آپ کو مظفر نگر جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں آپ چھ ماہ کے قریب اسیر زنداں رہے۔ آخر اللہ نے آپ کو بری کرایا اور جیل سے رہائی ہوئی۔

جیل سے رہا ہو کر آپ نے پھر درس کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ آپ نے پوری نصف صدی درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ آپ کا درس حدیث بہت مقبول تھا اور طلباء کے لئے بہت مفید اور نافع تھا۔ دورہ حدیث کے علاوہ تفسیر و فقہ اور اصول فقہ و اصول حدیث کا بھی سلسلہ درس جاری تھا لیکن بعد میں صرف حدیث کے درس پر ہی اکتفا کر لیا تھا۔ فتاویٰ کا سلسلہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہنے کے بعد بھی آخر تک جاری رہا لیکن بینائی جانے کے بعد درس حدیث کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور آپ کلیتاً تربیت باطن اور تزکیۂ نفس کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے خصوصاً ردِ بدعت میں بہت کوشش اور فکر فرمائی

آپ کی زندگی کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنا اور مسلمانوں میں صحابۂ کرام جیسی شان پیدا کرنے کے جذبہ کو پھیلانا تھا۔ ساری زندگی آپ کی درس و تدریس، خدمتِ حدیث اور ارشاد و ہدایت میں گذری۔

مدارس دینی سے آپکو خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ بعد وفات مولانا محمد قاسم نانوتوی رح، آپ مدرسہ دیوبند کے سرپرست بنائے گئے اور ہر طرح کی ظاہری و باطنی امداد اس مدرسہ کی آپ نے فرمائی۔ [۱۷۸]

اسی طرح بعد وصال مولانا مولوی محمد مظہر صاحب (۱۳۰۲ھ) اور مولانا فیض الحسن صاحب رح (۱۳۰۴ھ)، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی سرپرستی بھی آپ کے حوالہ ہوئی۔ [۱۷۹]

مولانا رشید احمد گنگوہی رح کو اللہ نے اس دور میں جامع شریعت و طریقت بنایا تھا۔ آپ ایک جید عالم دین اور محدث و فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ قطب الارشاد اور شیخ کامل تھے۔ اللہ نے آپ کی ذات بابرکات کو تعلیم احکامات شرعیہ، ترویج سنت نبویہ اور تزکیہ و تطہیر قلوب کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

مولانا رشید گنگوہی رح رد بدعات کے معاملہ میں نہایت شدید تھے چنانچہ محفل میلاد اور مروجہ نیاز و فاتحہ کے بعض امور میں آپ کی رائے اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے موافق نہ تھی۔ مولانا گنگوہی رح اصلاح خلق اور احیاء سنت کے پیش نظر بدعات کا رد بہت سختی سے کرتے تھے جبکہ اعلیٰحضرت اس معاملہ میں تشدد کے قائل نہیں تھے۔ خود حاجی صاحب کو صورت حال کا بخوبی اندازہ تھا لیکن اسکے باوجود آپ نے اپنے لائق مرید و خلیفہ کے بارے میں نہایت اعلیٰ رائے آخر تک رکھی۔ اپنے ایک مکتوب گرامی میں حاجی صاحب نے مولانا گنگوہی کو تحریر فرمایا ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ از فقیر امداد اللہ عفی عنہ
بخدمت فیضدرجت جامع شریعت وطریقت عزیزم مولوی رشید احمد صاحب محدث
گنگوہی متع اللہ بطول حیاتہ و دمراعدائہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
مکتوب برکت اسلوب مورخہ چہاردہم رمضان شریف بدست مولوی
ممتاز علی صاحب ورود سرور لایا ممنون ومسرور ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو
بایں عنایت ومحبت مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر کونین میں درجات
عالیات قرب ورضا عطا فرمائے۔ مولانا آپ کی تحریر باعث انشراح
قلب وموجب جمعیت خاطر فقیر ہے اسلئے آرزو ہے کہ ہمیشہ اپنی خیر و
عافیت وحالات ظاہر وباطن وغیرہ سے مسرور ومبتہج فرماتے رہو۔
آپ کے اس خط کے ہر لفظ اور ہر فقرہ سے عجب کیفیت وشگفتگی پیدا
ہوئی ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔

مولانا ضیاء القلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے وہ
آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا القا ہوا ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ پس بدیہات
کو نہ ماننا اور اپنے ذریعۂ نجات ووسیلہ فلاح دارین سے علیحدگی کرنا سخت
جہالت ومحرومی وادبار ہے۔ خارج کرنا چہ معنی فقیر تو تم علماء صلحاء کی
جماعت میں اپنا داخل ہو جانا موجب فخر دارین وذریعہ نجات ووسیلہ
فلاح کونین یقین کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین
کی محبت میں جلاوے ومارے۔ وہ شخص مدبر ہے جو تم مقدس
ومقتدائے زمان سے کچھ دل میں کینہ یا سوء ظن یا بدعقیدگی یا عداوت
وریخ رکھے۔ فقیر تو آپ کی سب حرکات وسکنات واقوال وافعال
کو منتج حسنات وبرکات وموافق شریعت وطریقت سمجھتا ہے اور کل

"امور میں مخلص و صادق یقین کرتا ہے ۔۔۔۔ اسی لئے فقیر نے مسائل مختلف فیہا کے باب میں کوئی آپ کی تحریر دیکھی نہ پڑھی نہ اسکی تفتیش کی ۔ غرض کیا ہے، کیونکہ فقیر تو آپ کے سب اقوال کو موافق شرع جانتا ہے اگرچہ بعض مسائل میں موافق نہ سہی اور اس اختلاف کو صحابہ کا اختلاف سمجھتا ہے اور آپ کے ہر قول کی تاویل و توجیہ میرے دل میں نہایت جمعیت بخش و تسلی دہ ہے ۔" ۱۸۰

یہ تو تھا حضرت حاجی صاحب کا تعلق اپنے مرید اور خلیفۂ رشید سے اب سنیئے کہ مولانا گنگوہی کو کتنا تعلق تھا اپنے پیر سے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک ملفوظ میں ہے کہ ایک بار حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے، حضرت حاجی صاحبؒ سے مجھکو اتنی نہیں ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے سن کر ادھر ادھر کی باتیں کرکے فرمایا کہ اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحب سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے ۔ مولانا نے فرمایا لاحول ولا قوۃ استغفر اللہ کہاں حضرت کہاں میں ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی، بہت صدمہ ہوا ۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا خیر آپ ان سے بڑھے ہوئے نہ سہی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ تکلیف آپکو کیوں ہوئی ۔ بس یہی محبت ہے ۔ آپ تو کہتے تھے کہ مجھے حضرت سے محبت ہی نہیں ۔ اگر محبت نہ تھی تو یہ صدمہ کیوں ہوا، ویسے ہی اپنی فضیلت کی نفی کر دیتے ۔ بس یہی محبت ہے ۔

حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی تم بڑے استاد ہو ۔ ۱۸۱

ان ہی ملفوظات میں حضرت تھانوی کا ارشاد نقل ہے کہ مولانا گنگوہیؒ کی حاجی صاحبؒ سے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب حضرت حاجی صاحب کا انتقال ہوا تو مولانا کو دست لگ گئے کئی روز تک کھانا نہیں کھایا گیا ۔ اس زمانہ میں لوگوں نے یہی اکثر کہتے سنا کہ

"ہمارے رحمۃ اللعالمین"۔ پھر مولانا تھانویؒ نے اپنی طرف سے فرمایا کہ واقعی حضرت حاجی صاحب کی شان رحمت ہی رحمت تھی۔ ایسا نفع عام اور تام تھا کہ کہیں دیکھنے میں نہیں آتا۔ بگڑنا خفا ہونا تو جانتے ہی نہیں تھے۔ ۱۸۲

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے حالات میں اخیر میں راقم الحروف اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے مبارک الفاظ نقل کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی مقبول تصنیف فضائل صدقات میں تحریر فرمائے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے تحریر فرمایا ہے:

"اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے نمونہ کے لئے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوب گرامی جو شیخ المشائخ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اعلی اللہ مراتبہ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہو چکا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماوائے دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں۔ بخدا سخت شرمندہ ہوں کچھ نہیں ہوں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ حضرت مرشد من علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے اس سال تک دو سو سے زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر گئے اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی، اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے۔ اور حضرت کے اقدام لعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق تعالیٰ سے نفع و ضرر کا التفات نہیں۔ واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے لہذا کسی کے مدح و ذم کی پرواہ نہیں رہی

اور ذام و مادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت
اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت
بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچی ہے۔ پس زیادہ عرض
کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد
سے تحریر ہوا ہے۔ جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود
ہے، میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور
میں اور تو خود شرک در شرک ہے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ لاحول
ولاقوۃ الا باللہ، اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرما دیں۔ والسلام"
سنہ ۱۳۰۶ھ

یہ گرامی قدر مکتوب وصال سے سترہ سال قبل کا ہے، ان سترہ سال میں مدح و ماذم کی
برابری میں اور غیر حق سے نفع و ضرر کی طرف عدم التفات میں جو ترقیات ہوئی ہونگی ان
کا ادراک بھی کون کر سکتا ہے۔ ۱۸۳ھ

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جمعہ، ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ (باختلاف روایت) سنہ ۱۳۲۳ھ
مطابق ۱۱ اگست سنہ ۱۹۰۸ء کو وفات پائی۔ مزار مبارک گنگوہ میں ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رح

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح (۱۲۸۰ھ — ۱۳۶۲ھ) جناب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے شہرۂ آفاق خلیفہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن تھانہ بھون میں حاصل کرنے کے بعد ۱۲۹۹ھ میں دار العلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔ شروع میں آپ کانپور کے مدرسہ فیض عام میں صدر مدرس ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور حاجی امداد اللہ صاحب رح کی خانقاہ میں رونق افروز ہوئے۔ ۱۸۸۵ء شروع میں یہ مسجد تھانہ بھون میں مسجد پیر محمد والی کے نام سے ہی مشہور تھی بعد میں حاجی امداد اللہ صاحب کے وہاں قیام فرمانے کے بعد خانقاہ امدادیہ کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح نے اپنے لئے اپنے پیر و مرشد کی جائے قیام کو پسند فرمایا اور اسی جگہ بیٹھ کر ارشاد و ہدایت اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا جہاں حاجی صاحب رح مکہ مکرمہ ہجرت کرنے سے پہلے قیام فرماتے تھے۔ اسی مسجد میں حاجی صاحب کے پیر بھائی حافظ ضامن شہید رح اور شیخ محمد محدث تھانوی بھی ان دنوں حاجی صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کی تفصیلات اس مقالہ میں پہلے تحریر کی جا چکی ہیں۔ حضرت تھانوی نے اخیر عمر تک پورے ۴۷ سال تک اسی مبارک مسجد میں بیٹھ کر کارہائے عظیم انجام دئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سے آپ کو خصوصی تعلق تھا اور آپ ان کے مخصوص خلفاء میں سے تھے۔ حضرت تھانوی رح فرمایا کرتے تھے:

"حضرت حاجی صاحب رح کے ذکر سے گو وہ کسی درجہ کا ہو میرے ہوش بجا نہیں رہتے، گو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن مجھ پر تو گذرتی ہے۔ میں بلا خوف تردید قطع نظر

عقیدت و بیعت کے کہہ سکتا ہوں کہ ڈیڑھ سو دو سو برس سے
ایسا شیخ محقق نہیں پیدا ہوا - حضرت اس فن تصوف کے مجتہد
اور مجدد تھے"۔ ۱۸۶

ایک اور ملفوظ حضرت تھانوی رح کا اس سلسلے میں قابل تحریر ہے - فرمایا:

"حضرت حاجی صاحب کو مجھ سے بہت محبت تھی - کوئی کلمہ
مدح کا مجمع میں فرماتے تو بجائے تفاخر کے مجھ کو اس قدر گراں
ہوتا تھا کہ دعا مانگا کرتا تھا کہ حضرت رح چپ ہو جائیں تو اچھا ہے کہ
سننے والوں کو حسد نہ ہو جائے - چنانچہ ہونے لگا تھا - بس
میں تو ڈر گیا اور یہاں تک ڈر بڑھا کہ میں چھ مہینے کے لئے خدمت
میں گیا تھا، شوق تھا کہ زیادہ رہوں لیکن اسی حسد کی وجہ
سے چھ مہینے ہی رہ کر چلا آیا کہ اب تو مقبول ہو چکا ہوں کہیں
آئندہ مخذول نہ ہو جاؤں - ڈر کے مارے جلدی چلا آیا -
جو کچھ حضرت رح سے تعلق تھا وہ تھا - اسکو حضرت جانیں یا میں
جانوں، ضرورت کیا کہ تیسرا کوئی شخص واقف ہو"۔ ۱۸۷

مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی رح جیسا عالم دین اور
مجدد بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کی خدمت میں تربیت باطن کے لئے
چھ مہینے حاضر رہے تھے - ان باتوں سے حضرت حاجی صاحب کا مقام بخوبی معلوم
ہو جاتا ہے -

مولانا تھانوی رح کی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے، ان
میں بڑی کتابوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے رسائل بھی شامل ہیں - آپ کی تفسیر بیان القرآن
ایک عظیم الشان علمی کارنامہ ہے - حضرت تھانوی رح کا ترجمہ قرآن مجید عام فہم، سلیس

ہونے کے ساتھ ساتھ عالمانہ ہے۔ حدیث، فقہ، تصوف غرض ہر شعبۂ دین اور ہر علمی میدان میں آپ کے کارنامے لافانی ہیں۔ اصلاح الرسوم اور ردّ بدعت میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں بھی آپ کی رہنمائی سے ملت کو زبردست فائدہ پہنچا ہے۔ آپ کی بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر آپ کی شہرت حکیم الامت کے لقب سے ہے۔ آپ کی کتاب "بہشتی زیور" کو اللہ نے بے مثال مقبولیت عطا فرمائی۔

حکیم الامت نظم وضبط کے بڑے پابند تھے اور آپ کی خانقاہ میں بھی کچھ اصول مرتب شدہ تھے اور آپ ان کی پابندی پر بہت زور دیتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزار شریف ہے۔

مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ انبہٹہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی ہے۔ دسویں پشت یعنی قاضی امن پر آپ کا سلسلۂ نسب اپنے پیر و مرشد حضرت رشید احمد گنگوہیؒ سے جا ملتا ہے۔ ۱۷۸ آپ کی ولادت اپنی ننہیال نانوتہ میں ۱۲۶۹ھ میں ہوئی۔

مولانا خلیل احمد صاحبؒ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے نواسے اور مولانا یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ ان حضرات کے واقعات اس مقالہ میں تحریر کئے جا چکے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے ۱۲۸۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اس بارے میں اختلاف روایت یہ ہے کہ مولانا عاشق الٰہیؒ نے تذکرۃ الخلیل میں آپ کے دار العلوم دیوبند کے داخلے کا سال ۱۲۸۳ھ تحریر کیا ہے لیکن سید محبوب رضوی نے تاریخ دار العلوم دیوبند میں ۱۲۸۵ھ لکھا ہے اور ثبوت کے لئے دار العلوم دیوبند کی سند مورخہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ نقل کی ہے۔ لہٰذا یہی صحیح ہے کیونکہ تذکرۃ الخلیل کی عبارت میں "۱۲۸۳ھ میں دار العلوم کے قیام کی خبر آپ کے کانوں میں پڑی" کے الفاظ ہیں اور بعد میں یہ تحریر ہے کہ آپ دار العلوم تشریف لے گئے۔ اس عبارت سے آپ کے دار العلوم میں داخلے کے سال کی صراحت نہیں ہوتی جبکہ سند دار العلوم تاریخی دستاویز سمجھی جائے گی ۱۸۹

دار العلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور دونوں جگہ آپ نے تعلیم پائی ہے۔ آپ کو متعدد بزرگ علماء سے احادیث کی اجازت اور سند حاصل ہے جن میں شاہ عبد الغنی مجددیؒ بھی شامل ہیں۔ جن کا ذکر اس مقالہ میں کیا جا چکا ہے۔

آپ پہلے مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس ہو گئے اور بعد میں بھوپال اور بہاولپور میں بھی منصب مدرسی پر فائز رہے۔ بعد ازاں آپ کو مولانا گنگوہیؒ نے مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کیا گیا۔ ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں آپ کا تقرر صدر مدرس کی حیثیت سے کیا گیا اور ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مظاہر العلوم کا ناظم منتخب کیا گیا اور ۱۳۴۴ھ میں آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں مقیم ہوئے۔

اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو خلافت عطا فرمائی تھی اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر اپنے مبارک ہاتھوں سے مولانا خلیل احمدؒ کے سر پر رکھدی تھی۔ بعد میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے اس دستار کے بل سوئی سے سی لئے تھے تاکہ حضرت حاجی صاحب کی باندھی ہوئی دستار کھلنے نہ پائے۔ مولانا خلیل احمد صاحب چونکہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پہلے ہی مرید ہو چکے تھے اور آپ کے حکم کی بجا آوری میں ہی اعلیٰحضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے لہٰذا آپ نے حضرت حاجی صاحب کا خلافت نامہ اور دستار خلافت اپنے پیر و مرشد کے سامنے پیش کر دیا۔ مولانا گنگوہیؒ نے مبارک باد دی اور اپنے دستخط بھی حضرت حاجی صاحب کے اجازت نامہ پر ثبت فرما دئے۔ یہ واقعہ ۱۲۹۷ھ کا ہے۔ پہلے مکہ معظمہ میں حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت ملی اور بعد میں ہندوستان واپسی پر مولانا گنگوہیؒ نے بھی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

دیگر تصانیف کے علاوہ آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ابو داؤد کی معرکۃ الآراء شرح بذل المجہود تصنیف فرمائی۔

اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ کے ایک والا نامہ کا حوالہ دیتے ہوئے

تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے مولانا خلیل احمدؒ کو تحریر فرمایا تھا "تم میرے سلسلہ کے فخر ہو، مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے"۔ ۱۹۰

حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان کے یہ نورانی خلیفہ ایسے حضرات کی تربیت فرمائیں گے جن سے پورے عالم میں ہدایت کا نور پھیلے گا۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کا جو کام تبلیغی جماعت پوری دنیا میں کر رہی ہے اس سے آج مسلم اور غیر مسلم خوب واقف ہیں۔ تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ (۱۳۰۳ھ - ۱۳۶۳ھ) اور راقم الحروف کے مرشد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ (۱۳۱۵ھ - ۱۴۰۲ھ) بھی اور بزرگوں کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے خلیفہ تھے۔ مولانا الیاسؒ کی تبلیغی جماعت سے نہ صرف میوات کے علاقہ کی دینی اصلاح ہوئی ہے بلکہ پورے عالم میں یہ کام پھیلا ہے اور امت کے ہر طبقہ کے لاکھوں افراد کی اصلاح کا ذریعہ بنا ہے۔ نہ صرف دینی مدارس کے طلباء اور علماء کرام اس میں مشغول ہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ حضرات، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء، پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر اور سائنسدان حضرات بڑی تعداد میں اس اصلاحی تحریک میں شریک ہیں اور تبلیغی جماعت کے کاموں میں عملی حصہ لیتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی تصانیف خصوصاً فضائل کی کتابیں جو تبلیغی نصاب کے نام سے مشہور ہیں، دنیا بھر میں روزانہ پڑھی جاتی ہیں اور لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی وفات مدینہ طیبہ میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو ہوئی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسنؒ کے متعلق تحریر کیا جا چکا ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے مدرسہ دیوبند میں استاد کے سامنے کتاب کھولی۔ آپ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں بریلی میں ہوئی جہاں ان کے والد مولانا ذوالفقار علیؒ کالج میں پروفیسر تھے۔ ۱۹۲

دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت نانوتوی (مولانا قاسم) کی خدمت میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا۔ آپ کا تقرر دارالعلوم میں پہلے بحیثیت مدرس ہوا اور بعد میں ۱۳۰۸ھ میں آپ صدر مدرس بنا دئے گئے۔

حضرت شیخ الہندؒ کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت حاصل تھی۔ چنانچہ انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی جدوجہد کا جذبہ انہیں اپنے مرشد سے ورثہ میں ملا تھا۔ شیخ الہند علیہ الرحمۃ ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کے لئے ترکی اور افغانستان کی مدد حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں حجاز کا سفر فرمایا اور وہاں ترکی گورنر غالب پاشا اور ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا سے ملاقات فرما کر ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کا اپنا منصوبہ پیش کیا اور اہم مشورہ کیا۔ شیخ الہند کے منصوبوں کی بھنک برطانوی حکام کے کانوں میں مخبروں کے ذریعے پہنچ گئی تھی، ادھر جنگ عظیم چھڑ چکی تھی اور شریف حسین والیٔ مکہ نے خلافت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا، چنانچہ شیخ الہندؒ کی ہندوستان روانگی سے پہلے ہی شریف حسین کے حکم سے شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں کو حجاز میں ہی گرفتار کر لیا گیا اور انگریز حکام کے حوالہ کر دیا گیا۔ یہ سانحہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ کو پیش آیا۔ شیخ الہند اور ان کے رفقاء کو پہلے ایک مہینہ مصر میں قید رکھا گیا اور بعد میں مالٹا بھیج دیا گیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۲۹۶ھ - ۱۳۷۷ھ) جو شیخ الہند کے شاگرد اور رفیق کار تھے اور مالٹا میں حضرت شیخ کے ساتھ قید تھے، اپنی خود نوشت سوانح حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

"پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہماری گرفتاری شریف حسین کی
جانب سے عمل میں آئی ہے مگر انگریز افسر کے بیان لینے
اور سوالات کرنے سے ظاہر ہوا کہ یہ گرفتاری تحریک
آزادی کی ان کارروائیوں کی بنا پر ہوئی ہے جو صوبہ
سرحد، کابل اور دیوبند میں مدتوں سے ہوتی رہی ہیں" [۱۹۳]

جنگ کے خاتمہ پر آپ کو ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں رہا کر کے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ آپ عمر بھر انگریزوں کے خلاف سیاسی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ آپ نے خلافت تحریک (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء) اور جمعیۃ العلماء کی سرگرمیوں میں پورا حصہ لیا اور تمام عمر انگریزوں سے لڑتے رہے۔ تحریک ترک موالات کے دوران آپ نے مسلمان طلباء کو مشورہ دیا کہ وہ یونیورسٹیوں سے باہر آجائیں اور ترک موالات میں حصہ لیں۔ چنانچہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ طلباء نے یونیورسٹی کو خیرباد کہا اور شیخ الہند کے ہاتھوں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد پڑی جو اب دہلی میں ایک قومی سطح کا تعلیمی ادارہ ہے۔

آپ کے نامور شاگردوں میں مولانا انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ) مولانا عبید اللہ سندھیؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) اور دوسرے مشاہیر علماء شامل ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء ہے۔ انتقال دہلی میں ہوا اور تدفین دیوبند میں ہوئی۔

باب نہم۔ تذکرہ میاں بچیو نور محمد جھنجھانوی رح

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کو میاں بچیو نور محمد جھنجھانوی رح سے چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل ہے۔ میاں بچیو نور محمد کی ولادت جھنجھانہ قصبہ (ضلع مظفر نگر) میں ۱۲۰۱ھ میں ہوئی۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز دہلوی رح سے ۱۸۰۶ء میں بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر اور حدیث شریف کی تعلیم شاہ عبدالقادر دہلوی رح سے حاصل کی۔ آپ قصبہ لوہاری میں بچوں کو قرآن پاک اور فارسی پڑھاتے تھے۔ میاں بچیو رح نے شاہ عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ فیض کیا اور خلافت پائی۔ شاہ عبدالرحیم ولایتی رح سہارنپور کی مسجد لوبنی کے حجرے میں رہتے تھے اور "ارواح ثلثہ" میں یہ حکایت درج ہے کہ سید احمد شہید رح جب سہارنپور آئے تو دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر کیفیات و نسبت کا مبادلہ کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالرحیم ولایتی رح نے میاں بچیو نور محمد کو سید صاحب سے بیعت کرایا اور سید صاحب رح نے میاں بچیو رح کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کو میاں بچیو نور محمد رح سے بیعت کا شرف ایک خواب کے بعد حاصل ہوا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی صاحب رح کا ہاتھ میاں بچیو رح کے ہاتھ میں خود دیا تھا۔ میاں بچیو بہت عابد و زاہد بزرگ تھے، شریعت کے پابند اور متبع سنت تھے۔ "شمائم امدادیہ" میں تحریر ہے کہ چالیس برس تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ آپ کی کرامات بہت مشہور تھیں۔ آپ اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالرحیم ولایتی اور سید صاحب رح کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں شریک ہوئے لیکن دونوں بزرگوں نے آپ کو واپس وطن بھیج دیا۔ حافظ ضامن شہید رح اور شیخ محمد تھانوی رح بھی آپ کے خلفاء میں ہیں۔ آپ کی وفات کی تاریخ ۴ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ بروز جمعہ ہے۔ مفصل حالات کیلئے سوانح حضرت میاں بچیو نور محمد صاحب رح مرتب کردہ جناب نسیم احمد علوی و شائع کردہ مدرسہ عربیہ نور محمدیہ جھنجھانہ ملاحظہ فرمائی جائے۔ مزار جھنجھانہ میں ہے۔

حواشی

۱۔ شیخ شمس الدین کے حالات کے لئے رجوع فرمائیے البیان المتین فی بعض احوال الشیخ شمس الدین مشمولہ تربیت السالک، جلد سوئم۔ مرتبہ مولانا خیر محمد جالندھری۔ لاہور۔ ص۴۴ تا ص۴۶۴

۲۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خلیفہ مجاز تھے مزار مبارک دہلی میں ہے۔ آپکے حالات کیلئے رجوع فرمائیے خزینۃ الاصفیاء۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ جلد اول مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۰ھ ص۲۶۷ تا ص۲۷۶ اور سیر العارفین شیخ جمالی، ترجمہ و تحقیق پروفیسر محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۷۶ء ص۲۱ تا ص۴۱

۳۔ قاضی محمد اعلیٰ بن محمد علی فاروقی تھانوی، بین الاقوامی شہرت کے مصنف، اور اپنے موضوع کی منفرد کتاب کشاف اصطلاحات الفنون کے مصنف، حالات کیلئے ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر، مولانا حکیم عبدالحیٔ حسنی ص۲۷۸ جلد ششم۔ حیدرآباد دکن۔

۴۔ حضرت حافظ محمد ضامن خلف شیخ امام بخش فاروقی تھانویؒ، نہایت برگزیدہ اور اللہ والے بزرگ تھے۔ حضرت میاں بخیو نور محمد جھنجھانوی سے بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت حاصل کی۔ جہاد شاملی ۱۸۵۷ء میں شہید ہوئے۔ مزار مبارک تھانہ بھون میں ہے۔ حالات کیلئے سردار شہیداں مرتبہ مولانا مراد صابری ناشر مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ ۱۹۸۲ء ملاحظہ ہو۔

۵۔ حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ خلف مولانا حمد اللہ فاروقی تھانوی ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء پیدا ہوئے۔ مختلف علماء سے اور آخر میں حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ سے حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت سید احمد شہید اور حضرت میاں بخیو نور محمد سے استفادہ باطنی کیا۔ میاں بخیو نور محمد سے خلافت و اجازت بھی حاصل ہوئی۔ تقریباً بتیس کتابیں تالیف فرمائیں۔ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں تھانہ بھون میں وفات ہوئی۔ حالات کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ وحدۃ الوجود والشہود۔ جناب ثناء الحق ایم۔اے۔ ص۱۶ تا ص۱۲۲ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء

۶۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی خدمات اور تصنیف و تالیف کے عظیم ذخیرے کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہیں۔ ۱۲۸۰ھ میں ولادت ہوئی۔ دیوبند اور تھانہ بھون میں تعلیم کی تکمیل

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ممتاز ترین خلیفہ ہوئے۔ کئی سو تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا اور ۱۳۶۲ھ میں تھانہ بھون میں وفات ہوئی۔ حالات کیلئے ملاحظہ ہو اشرف السوانح، مولفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب مطبوعہ ۱۳۵۴ھ تا ۱۳۵۷ھ اور سیرت اشرف، منشی عبدالرحمٰن خاں جلد اول دوئم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء و ۱۹۷۹ء۔

۷۔ شمائم امدادیہ مولفہ حاجی محمد مرتضیٰ خاں مولفہ شوال ۱۳۱۳ھ مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ ۱۳۱۴ھ ص۶ اور امداد المشتاق مولفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولفہ ۱۳۴۳ھ مطبوعہ مکتبہ برہان دہلی ۱۹۸۱ء (مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی) ص۴ پر یہی لکھا ہے۔ مگر جنتری کی رو سے یہ صحیح نہیں ہے۔ جنتری صد سالہ مرتبہ لالہ شیام لال از ۱۸۰۱ء تا ۱۹۰۰ء مطبوعہ کانپور ۱۹۰۶ء کی رو سے ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ کو جمعرات یکم جنوری ۱۸۱۸ء ہوتی ہے اور اگر اختلاف رویت ہو تو مطابق ۳۱ دسمبر ۱۸۱۷ء بروز بدھ یا ۲ جنوری ۱۸۱۸ء بروز جمعہ ہوگی۔ مگر دوشنبہ کو ۲۲ صفر کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

۸۔ شمائم امدادیہ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ ص۷ اور امداد المشتاق ص۴ مطبوعہ مکتبہ برہان دہلی ۱۹۸۱ء (عکس نسخہ اصل تھانہ بھون مطبوعہ ۱۳۴۳ھ)

۹۔ حاشیہ امداد المشتاق ص۴ و ص۵

۱۰۔ شمائم امدادیہ ص۹ و امداد المشتاق ص۵

۱۱۔ شمائم امدادیہ ص۹ و امداد المشتاق ص۵۔ بی بی حسینی کے شجرے کی تفصیلات کیلئے دیکھئے مقدمہ امداد المشتاق مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۴۱

۱۲۔ شمائم امدادیہ ص۹ و صفحہ ۱۰۔ امداد المشتاق ص۵ و ص۶

۱۳۔ شمائم امدادیہ ص۱۰۔ امداد المشتاق ص۶

۱۴۔ مولانا رحمت علی صاحب تھانویؒ کے حالات کہیں نہیں ملتے۔ شمائم امدادیہ ص۱۰ اور امداد المشتاق ص۶ میں مولانا رحمت علی تھانوی سے تلمذ کا تذکرہ ہے۔

۱۵۔ شمائم امدادیہ ص۱۱۔ امداد المشتاق ص۷۔ اسکے علاوہ مولانا عبدالرحیم نانوتویؒ کے حالات بھی نہیں ملتے

مولانا عبدالرحیم کے بارے میں شمائم امدادیہ اور امداد المشتاق میں لکھا ہے کہ یہ حضرت مفتی الٰہی بخش رح کاندھلوی خاتم دفتر ششم مثنوی مولانا روم رح کے شاگرد ہیں۔

۱۶ شمائم امدادیہ ص۱۱ و ص۱۴ ۔ امداد المشتاق ص۱۰ ص۱۲ ۔ حضرت مولانا محمد قلندر نجیب آباد ضلع بجنور سے نواب ضابطہ خاں کے دور میں جلال آباد آئے، تعلیم حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رح سے حاصل کی، آپ اپنے استاد محترم کے علوم کے امین تھے۔ مولانا محمد قلندر رح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حضوری حاصل تھی۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی اس دور کے علماء میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس دور میں مولانا کا درس حدیث کا حلقہ ممتاز تھا۔ حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رح، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رح، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح، مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رح اور مولانا غوث علی قلندر پانی پتی جیسے ممتاز علماء اور صوفیاء کرام آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت حاجی صاحب رح کے استاد خاص تھے اور حاجی صاحب کے میاں جی نور محمد جھنجھانوی رح تک پہنچنے کا ذریعہ بھی مولانا محمد قلندر رح ہی تھے۔ آپ کی وفات ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ مفصل حالات کیلئے تعارف مولانا محمد قلندر۔ مرتبہ مولوی نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب مشمولہ امداد المشتاق، مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ ص۳۳۱ تا ص۳۳۶ بحوالہ مضمون "حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے اساتذہ" از مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی۔ ماہنامہ الفرقان۔ لکھنؤ۔ جلد ۴۹ شمارہ ۳۔ بابت مارچ ۱۹۸۱ء

۱۷ شمائم امدادیہ ص۱۲ و ص۱۰ امداد المشتاق ص۱۱ و ص۷۹ ۔ حضرت مولانا عبدالرزاق بن شیخ امام بخش بن شیخ شمس الدین جھنجھانوی رح، حضرت مفتی الٰہی بخش رح کے نواسے اور عزیز ترین شاگرد تھے۔ تمام تعلیم مفتی صاحب سے حاصل کی۔ حضرت مفتی صاحب سے مثنوی مولانا روم کا درس لیا اور بعد میں زندگی بھر اسی کا مشغلہ رہا۔ تمام مثنوی شریف حفظ تھی اور بہت ذوق و شوق سے اس کا درس دیتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ ہر شخص مثنوی شریف پڑھے۔ مولانا بہت عبادت کرنے والے، راتوں کو جاگنے والے نیک نفس بزرگ تھے۔ حاجی صاحب رح نے تین مرتبہ آپ سے مثنوی شریف پڑھی تھی۔ اور حاجی صاحب کی اہلیہ نے بھی آپ سے مثنوی کا درس لیا تھا۔ مولانا کی وفات ۱۲۹۳ھ میں ہوئی۔ مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو ضمیمہ امداد المشتاق ص۳۳۷ تا ص۳۴۱ (مطبوعہ دہلی ۱۹۸۱ء)

۱۸ شمائم امدادیہ ص۱۰۰ - امداد المشتاق ص۷۹ حضرت مولانا شیخ ابوالحسنؒ خلف حضرت مفتی الٰہی بخش کاندہلویؒ تقریباً ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے - والد ماجد سے تعلیم حاصل کی ساتھ ہی طب کی کتابیں بھی پڑھیں - اپنے والد سے بیعت تھے اور خلافت و اجازت حاصل تھی - لیکن کسی کو بیعت نہیں کیا - مولانا خوش مزاج بزرگ اور خوش کلام شاعر تھے - منظوم ترجمہ مثنوی مولانا رومؒ، متعدد عارفانہ مثنویاں، چند قصیدے اور رسالہ جہاد، ان کی یادگار ہیں -

مولانا ابوالحسن کاندھلویؒ کی مثنوی گلزار ابراہیم بہت مشہور اور مقبول ہوئی اس میں مشہور بزرگ حضرت ابراہیم ادھمؒ کا مشہور قصہ نظم کیا گیا ہے - اس مثنوی کے ذریعے بہت اللہ والوں کو معرفت کی دولت نصیب ہوئی اور کوچۂ سلوک میں رہنمائی حاصل ہوئی - اکابر علماء اور مشائخ نے اس مثنوی کی افادیت اور تاثیر کا اعتراف کیا ہے -

مولانا کی نثری کاوشوں میں دو تصانیف کا سراغ ملتا ہے - حل الغوامض اور رسالہ بحران - اول الذکر کتاب فرائض (میراث) کے موضوع پر جامع اور ضخیم تصنیف ہے اور موخر الذکر رسالہ طب سے متعلق ہے -

مولانا نے ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۹۶۹ھ کو کاندھلہ میں وفات پائی -

۱۹ شمائم امدادیہ ص۱۰۰ - امداد المشتاق ص۷۶

۲۰ شمائم امدادیہ ص۲۱۷ و ص۲۱۸ - امداد المشتاق ص۱۴۸ و ص۱۴۹ - مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، سہارنپور کے ایک انصاری خاندان میں تقریباً ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے - مفتی الٰہی بخشؒ کاندھلوی اور مولانا مملوک علیؒ سے تعلیم حاصل کی - آپ نے حضرت حاجی صاحبؒ کو دہلی میں حسب ارشاد مولانا مملوک علی صاحبؒ، گلستاں کا سبق پڑھایا ہے -

مولانا کے شاگردوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا عبداللہ انصاری انبہٹویؒ، مولانا احمد حسن امروہویؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں -

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ۱۲۸۶ھ میں مہتمم بنائے گئے اور دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی عمارت لودرہ کا سنگ بنیاد بھی حضرت مولانا نے رکھا تھا۔ علم حدیث میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

آپ کا انتقال ۶ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۸۸۰ء کو ہوا مزار شریف سہارنپور میں ہے۔ مزید معلومات کیلئے ضمیمہ امداد المشتاق مرتبہ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ملاحظہ فرمائیے۔

۲۱ کرامات امدادیہ ص۷ تالیف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی۔ انتظامی پریس کانپور

۲۲ ارواح ثلاثہ مرتبہ مولوی ظہور الحسن کسولوی ص۱۸۶ کتبخانہ امداد الغرباء، سہارنپور

۲۳ و ۲۴ شمائم امدادیہ ص۱۰۰/۱۲ ص۱۳۔ امداد المشتاق ص۷۹ و ص۱۱

۲۵ شمائم امدادیہ ص۱۱ امداد المشتاق ص۷

۲۶ حضرت مولانا نصیر الدین نقشبندی مجددی دہلی میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم حاصل کی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجر سے حدیث شریف پڑھی اور ان کے داماد ہونے کا شرف حاصل کیا۔ مولانا نصیر الدین دہلوی سلسلہ نقشبندیہ میں شاہ محمد آفاق سے بیعت اور اجازت یافتہ تھے۔ شاہ محمد آفاق کے ایک اور نامور خلیفہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی تھے۔ سید احمد شہید کے مشن کو آگے بڑھانے میں مولانا نصیر الدین نے کافی جدوجہد کی اور جماعت مجاہدین میں نئی ترتیب و تحریک پیدا کرنے کے لئے سید احمد شہید سے وابستہ اور ان کے مشن سے ہمدردی رکھنے والے علماء کو انہوں نے خطوط لکھے۔ مولانا نصیر الدین نے ۱۲۵۰ھ میں ایک جماعت کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ حضرت مولانا نصیر الدین کے بغرض جہاد افغانستان تشریف لے جانے کے کچھ عرصے بعد ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی وفات تقریباً ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے نزہتہ الخواطر، حکیم عبدالحی حسنی ص۵۰۳ جلد ہفتم ۱۳۷۸ھ مطبوعہ حیدرآباد۔ اور "علمائے ہند کا شاندار ماضی" از مولانا محمد میاں صاحب جلد چہارم ص۶۲ تا ص۶۹ مطبوعہ مکتبہ محمودیہ لاہور۔

۲۷ شمائم امدادیہ ص۱۴ امداد المشتاق ص۸

۲۸ شمائم امدادیہ ص۱۴ امداد المشتاق ص۸

۲۹ شمائم امدادیہ ص۱۵ - امداد المشتاق ص۹

۳۰ شمائم امدادیہ ص۴

۳۱ اسکی تفصیل کیلئے ضمیمہ امداد المشتاق، مشتمل بر احوال اساتذہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ص۳۳۵ و ص۳۳۶ ملاحظہ ہو (دہلی ۱۹۸۱ء)

۳۲ شمائم امدادیہ ص۱۵ - امداد المشتاق ص۹

۳۳ شمائم امدادیہ ص۲۱ - امداد المشتاق ص۱۲

۳۴ حیات امداد، از انوار الحسن شیرکوٹی - ص۷۸ - مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء

۳۵ مثنوی مولانا روم، دفتر ہفتم، از مولانا شیخ محمد تھانویؒ ص۲۰۹ - محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۷ھ

۳۶ مثنوی مولانا روم - دفتر ہفتم، مولانا شیخ محمد تھانویؒ ص۱۱۰ و ص۱۱۱

۳۷ امداد المشتاق ص۱۶ و ص۱۷

۳۸ حضرت میاں بچھو نور محمد بن جمال محمد جھنجھانویؒ حضرت شیخ عبد الرزاق جھنجھانوی کی اولاد میں ہیں - مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں - طریقہ چشتیہ حضرت شیخ عبد الرحیم ولایتیؒ سے حاصل فرمایا اور حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی خلافت و اجازت حاصل فرمائی - تمام عمر لوہاری کی ایک مسجد میں قرآن شریف پڑھانے میں گذاری - آپ کو اخفائے حال کا بہت اہتمام تھا - اطاعت خداوندی اور اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی آپ بہت اہتمام فرماتے تھے - بتیس سال تک تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی - ۱۲۵۹ھ میں جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں وفات پائی اور وہیں مزار پر انوار ہے - مفصل حالات کیلئے نور محمدی اور مختصر سوانحعمری میاں بچھو نور محمد صاحب علویؒ مرتبہ جناب نسیم احمد جھنجھانوی ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نور محمدیہ جھنجھانہ - ضلع مظفر نگر -

۳۹ علمائے ہند کا شاندار ماضی ص۲۷۴ جلد چہارم (لاہور) بحوالہ نقش حیات و سوانح قاسمی۔

۴۰ علمائے ہند کا شاندار ماضی، از مولانا محمد میاں صاحب صفحہ ۲۷۶ جلد چہارم۔ مکتبہ محمودیہ لاہور۔

۴۱ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اگست ۱۹۶۹ء مضمون جہاد شاملی و تھانہ بھون، از ثناء الحق ایم اے صفحہ ۲۸۔

۴۲ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اگست ۱۹۶۹ء مضمون جہاد شاملی و تھانہ بھون صفحہ ۲۹

۴۳ علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ ۲۷۹ جلد چہارم و ماہنامہ دارالعلوم اگست ۱۹۶۹ء صفحہ ۳۲ و صفحہ ۳۵

۴۴ تذکرۃ الرشید۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صفحہ ۷۵ و صفحہ ۷۶ جلد اول۔ اشاعت العلوم سہارنپور ۱۹۷۷ء و انوار قاسمی، از انوار الحسن شرکوٹی صفحہ ۲۹۰ جلد اول۔ ادارہ مجددیہ لاہور۔ ۱۳۸۹ھ

۴۵ جہاد شاملی و تھانہ بھون۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اگست ۱۹۶۹ء صفحہ ۳۶ و صفحہ ۳۷

۴۶ سردار شہیدان۔ مشتمل بر مولسن مہجوراں، حکیم ضیاء الدین رامپوری صفحہ ۸۵ ناشر مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ۔

۴۷ حیات امدادؒ۔ از انوار الحسن شرکوٹی۔ مطبوعہ کراچی صفحہ ۷۸

۴۸ حالات مولانا محمد قاسمؒ از مولانا محمد یعقوبؒ صفحہ ۲۱ مطبوعہ صادق الانوار بھاولپور ۱۲۹۷ھ اور ملاحظہ ہو بیاض یعقوبی، از مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۲۱۰ ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون۔

۴۹ کرامات امدادیہ صفحہ ۳۵ و شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۶

۵۰ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۷۲ - امداد المشتاق صفحہ ۱۲۰۔

۵۱ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۴۹

۵۲ امداد المشتاق صفحہ ۱۵۲

۵۳ مکتوبات اکابر دیوبند۔ جامع دفتری نور الحق، مرتب مولانا نسیم احمد فریدی صفحہ ۲۲ معراج بکڈپو، دیوبند۔

۵۴ مکتوبات اکابر دیوبند صفحہ ۲۷

۵۵ روداد سالانہ مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۱۶ (روداد ۱۳۱۱ھ)

۵۶ مکتوب حضرت حاجی صاحب، مرقومات امدادیہ مشمولہ امداد المشتاق مطبوعہ تھانہ بھون صد ۴۰۲ - و مرقومات امدادیہ مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صد ۷۷ مکتبہ برہان دہلی ۱۹۷۹ء

۵۷ مکتوبات اکابر دیوبند صد ۲۹

۵۸ مکتوب ۵۷ مشمولہ مکتوبات اکابر دیوبند صد ۳۲

۵۹ ضیاء القلوب مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۲۸۴ھ صد ۲ و صد ۳ (مصنفہ حاجی امداد اللہ)

۶۰ ضیاء القلوب صد ۳ و صد ۴ (اصل عبارت فارسی میں ہے۔ یہاں ترجمہ لکھا ہے)

۶۱ مرقومات امدادیہ۔ مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ صد ۸۷

۶۲ مرقومات امدادیہ مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ صد ۴۵

۶۳ غذائے روح صد ۸۶ مشمولہ کلیات امدادیہ۔ فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۱۴ھ صد ۲۱۸

۶۴ جہاد اکبر صد ۲۳ مشمولہ کلیات امدادیہ۔ فخر المطابع دہلی صد ۲۷۳

۶۵ تحفۃ العشاق صد ۳۲ مشمولہ کلیات امدادیہ صد ۱۲۴

۶۶ دردنامہ غمناک صد ۲ مشمولہ کلیات امدادیہ صد ۲۴۶

۶۷ امداد المشتاق، از مولانا اشرف علی تھانوی مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صد ۸۳

۶۸ رسالہ در بیان وحدۃ الوجود صد ۳ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند۔

۶۹ مکاتیب رشیدیہ۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صد ۹ اشاعت العلوم سہارنپور

۷۰ مکتوبات امدادیہ مع فوائد اشرفیہ۔ مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی صد ۲۶ و صد ۲۷ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ۱۳۹۱ھ

۷۱ مکتوبات امدادیہ مع صد فوائد اشرفیہ۔ صد ۳۸

۷۲ امداد المشتاق صد ۳۳

۷۳ مکتوبات امدادیہ مع صد فوائد اشرفیہ صد ۵۵

۷۴ امداد المشتاق مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صد ۹۰ و صد ۹۱

۷۵ امداد المشتاق۔ صد ۲۰۳

۷۶ یہ مفصل حدیث پاک کا ٹکڑا ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ اور روایت سے حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب سوال جبرئیلؑ کے تحت نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے صحیح البخاری مع اردو ترجمہ تیسیر القاری۔ از مولانا وحید الزماں صاحب وقار نواز جنگ ص۲۸ و ص۲۹ حصہ اول۔ مطبوعہ ملک سراج الدین لاہور۔

۷۷ اس حدیث شریف کی مفصل شرح کیلئے ملاحظہ فرمائیے فضل الباری شرح اردو صحیح بخاری از قاضی عبدالرحمن۔ جلد اول۔ ص۵۲۴ تا ص۵۴۲۔ (کراچی ۱۳۹۳ھ)

۷۸ مکتوبات شیخ الاسلام۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ جلد سوئم مکتوب ۶۶۔ مکتبہ دینیہ۔ دیوبند۔

۷۹ یہ ایک حدیث شریف کا ٹکڑا ہے جسے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے حضرت امام بخاری نے بروایت ابونعیم عن زکریا عن عامر، روایت کیا ہے۔ باب فضل من استبرأ لدینہ صحیح بخاری مع شرح و ترجمہ اردو موسوم بہ فیض الباری۔ از مولانا ابوالحسن محدث۔ حصہ اول ص۳۶۔ مطبع محمدی۔ لاہور ۱۳۰۴ھ

۸۰ گنجینۂ معرفت۔ ترجمہ کیمیائے سعادت۔ ص۲۵۹۔ مطبع مجتبائی دہلی۔ ۱۳۳۱ھ۔

۸۱ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مترجم ص۲ و ص۳ مطبع احمدی دہلی ۱۳۱۱ھ

۸۲ اکابر کا سلوک و احسان۔ از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ جناب محمد اقبال صاحب ہوشیارپوری۔ ص۳۷ و ص۳۸ کتب خانہ اشاعت علوم سہارنپور ۱۳۹۶ھ

۸۳ غنیۃ الطالبین۔ از حضرت غوث الاعظم سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ۔ اردو ترجمہ جناب امان اللہ خاں ارمان۔ ص۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۷۹ء

۸۴ تاریخ مشائخ چشت۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ ص۱۷۴ ۔ دہلی ۱۹۸۰ء

۸۵ نفحات الانس۔ از مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ اردو ترجمہ شمس بریلوی ص۶۲۳۔ کراچی ۱۹۸۲ء

۸۶ تاریخ مشائخ چشت۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ ص۱۸۵۔

۸۷ عوارف المعارف از شیخ عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی۔ ترجمہ رشید احمد ارشد۔ مقدمہ مترجم ص۱ و ص۲

ناشرین: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور۔ ۱۹۶۲ء

۸۸ مقدمہ مترجم۔ عوارف المعارف۔ لاہور ۱۹۶۲ء ص

۸۹ سبع سنابل۔ شیخ عبدالواحد بلگرامی۔ ص۴۲ (مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۱ھ)

۹۰ اس سلسلے کی تفصیل اور ان مشائخ کرام کے احوال کے لئے رجوع کیجئے: تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی۔ از مولانا سید زوار حسین۔ ص۵۴ تا ص۱۳۲۔ (کراچی ۱۳۹۲ھ)
نیز ملاحظہ ہو: تسلسلات امدادیہ۔ ڈاکٹر ماجد علیخاں۔ کتبخانہ اختری۔ سہارنپور۔ ص۳۵ و ص۳۶ (بحوالہ ضیاء القلوب)

۹۱ تسلسلات امدادیہ۔ ص۳۶ (بحوالہ ضیاء القلوب)

۹۲ ضیاء القلوب۔ فارسی۔ طبع اول۔ مطبع مجتبائی دہلی۔ ۱۲۸۴ھ ص۶۱

۹۳ ارشاد مرشد۔ از حضرت حاجی امداد اللہ۔ مفصل منظوم شجرہ۔ ص۱۳ ص۱۹ (طبع اول مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۶ھ)

۹۴ تاریخ مشائخ چشت۔ از پروفیسر نظامی۔ ص۲۹۳ ص۲۹۵

۹۵ مقدمہ۔ امداد المشتاق۔ پروفیسر فاروقی۔ ص۳۵ (دہلی ۱۴۰۱ھ)

۹۶ سیرت حضرت سید احمد شہیدؒ۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ص۱۷۱ جلد اول (لکھنؤ ۱۳۹۷ھ)

۹۷ شمائم امدادیہ ص۲۲۳ مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ ۱۳۱۴ھ

۹۸ ارشاد مرشد۔ مولفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ ص۱۶ (فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۴ھ)

۹۹ ضیاء القلوب۔ مولفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ ص۱۱ و ۱۲ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء) اردو ترجمہ تصفیۃ القلوب بھی ساتھ میں ہے اور اسی نام سے شائع ہوا تھا۔

۱۰۰ یہ ترجمہ تصفیۃ القلوب (مجتبائی ۱۹۱۰ء) ص۱۱ و ص۱۲ کی عبارت سامنے رکھ کر کیا ہے۔

۱۰۱ ضیاء القلوب ص۱۰ (مجتبائی ۱۲۸۴ھ)

۱۰۲ انوار العیوب۔ اردو ترجمہ ضیاء القلوب۔ ص۹ و ۱۰۔ کتب خانہ امدادیہ۔ دیوبند

۱۰۳ ضیاء القلوب (مجتبائی ۱۲۸۴ھ) ص ۱۵

۱۰۴ تصفیۃ القلوب ص ۲۳ (مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء)

۱۰۵ ضیاء القلوب ص ۱۵ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۴ھ)

۱۰۶ تصفیۃ القلوب ص ۲۳ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء)

۱۰۷ ضیاء القلوب ص ۱۵ (مجتبائی ۱۲۸۴ھ)

۱۰۸ تصفیۃ القلوب ص ۲۴ (مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء)

۱۰۹ ضیاء القلوب ص ۵۴ (مجتبائی ۱۲۸۴ھ)

۱۱۰ انوار العیوب - ترجمہ اردو ضیاء القلوب (دیوبند) ص ۶۰

۱۱۱ ضیاء القلوب - ص ۱۷ (مجتبائی ۱۲۸۴ھ)

۱۱۲ انوار العیوب - ص ۱۷ (کتبخانہ امدادیہ - دیوبند)

۱۱۳ ضیاء القلوب (مطبع احمدی لکھنؤ ۱۹۱۴ء) ص ۳۲

۱۱۴ ڈاکٹر صادق حسین - ہمارے ہندوستانی مسلمان - (ڈبلیو ہنٹر کی کتاب کا اردو ترجمہ) ص ۲۵۵ و ۲۵۶ - (اقبال اکیڈمی - لاہور ۱۹۴۴ء)

۱۱۵ ایضاً ص ۲۵۷

۱۱۶ ایضاً ص ۲۵۸

۱۱۷ گارساں دتاسی - ترجمہ خطبات - ص ۸۰۴ و ۸۰۵ (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۵ء)

۱۱۸ مرزا غالب - اردوئے معلیٰ (غالب کے خطوط) ص ۶۶

۱۱۹ سید محبوب رضوی - تاریخ دار العلوم دیوبند - جلد اول - ص ۱۵۵ (جید پریس دہلی ۱۹۷۷ء) مطبوعہ دار العلوم دیوبند

۱۲۰ مولانا حافظ محمد احمد - مدرسہ اسلامی عربی دیوبند کا زرین ماضی و مستقبل - ص ۲۲ (افضل المطابع دہلی ۱۳۲۸ھ)

۱۲۱ امیر شاہ خاں - ارواح ثلاثہ - (مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون)

۱۲۲ مولانا محمد میاں - علماء ہند کا شاندار ماضی - جلد ۵ ص ۶۳

۱۲۳ سید محبوب رضوی ۔ تاریخ دیوبند ۔ طبع دوم ص ۲۹۷ (علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۲ء / ۱۳۹۲ھ)

۱۲۴ سید مناظر احسن گیلانی ۔ سوانح قاسمی ۔ حصہ دوم ۔ ص ۲۲۷ و ۲۲۸ کا حاشیہ شائع کردہ دفتر دارالعلوم دیوبند۔

۱۲۵ میاں سید اصغر حسین ۔ حیات شیخ الہند ۔ ص ۹ و ۱۰ (مکتبہ اصغریہ دیوبند ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)

۱۲۶ سید مناظر احسن گیلانی ۔ سوانح قاسمی ۔ حصہ دوم ص ۲۳۸

۱۲۷ منشی سید فضل حق دیوبندی مولانا قاسمؒ سے بیعت تھے ۔ قیام دارالعلوم کے وقت سربراہ کار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ۔ ۱۳۱۰ھ میں تقریباً ایک سال دارالعلوم کے مہتمم بھی رہے ۔ سوانح قاسمی میں مولانا گیلانی نے آپ کی تحریر کردہ سوانح مخطوطہ کا حوالہ دیا ہے جو مولانا قاسم کی سوانح ہے لیکن مکمل نہیں ۔ تاریخ دیوبند ص ۴۸۳ و ۴۸۴ اور سوانح قاسمی جلد دوم کے ص ۲۵۴ و ۲۵۵ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے ۔

۱۲۸ مولانا مہتاب علی (وفات ۱۲۹۳ھ) مولانا ذوالفقار علی کے بھائی تھے ۔ دیوبند کے رئیس شیخ کرامت حسین کے دیوان خانہ میں قائم مدرسہ میں عربی پڑھاتے تھے ۔ مولانا قاسم نے بھی ابتدائی عربی تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی تھی ۔ دارالعلوم کے لئے چندہ دینے والوں میں دوسرے آدمی آپ تھے ۔ مدرسہ دیوبند کے قیام کے اعلان میں آپ کا نام بھی مشوریٰ کے اراکین میں شائع ہوا تھا ۔ ملاحظہ ہو تاریخ دیوبند ص ۲۳۳

۱۲۹ مولانا فضل الرحمٰن عثمانی (وفات ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے ۔ دہلی کالج کے تعلیمیافتہ تھے ۔ فارسی، اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ملاحظہ ہو تاریخ دیوبند ص ۸۰

۱۳۰ مولانا ذوالفقار علی شیخ الہند کے والد اور دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے ۔ بریلی کالج میں استاد رہے ۔ ۴۰ سال دارالعلوم کی شوریٰ کے رکن رہے

۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوا اور مولانا قاسم کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ ملاحظہ ہو تاریخ دیوبند ص ۷۸ و ۷۹۔

۱۳۱ سید ذوالفقار علی۔ پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے۔ بعد میں ان کی حویلی میں اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول قائم ہوا۔ ان کے فرزند مولوی ممتاز علی لاہور سے ماہنامہ "تہذیب نسواں" نکالتے تھے۔ ملاحظہ ہو سوانح قاسمی جلد دوم حاشیہ ص ۲۵۸

۱۳۲ منشی فضل حق دیوبندی — سوانح مخطوط۔ بحوالہ سوانح قاسمی از مولانا گیلانی ص ۲۵۸، ۲۵۹

۱۳۳ مولوی نذیر احمد دیوبندی — تذکرۃ العابدین۔ ص ۶۹ (دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۳۳ھ)

۱۳۴ منشی فضل حق — سوانح مخطوط۔ بحوالہ سوانح قاسمی از مولانا گیلانی جلد دوم ص ۲۶۲

۱۳۵ اعلان قیام مدرسہ عربی دیوبند ۱۹ محرم ۱۳۸۳ھ، بحوالہ تاریخ دیوبند ص ۳۲۲ و ۳۲۳۔

۱۳۶ تحریر مولانا قاسم نانوتوی جو دارالعلوم میں موجود ہے۔ اسکا فوٹو سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۲۰ و ۲۲۱ پر شائع ہوا ہے۔

۱۳۷ القاسم دارالعلوم نمبر ص ۳۳ ۱۳۴۷ھ

۱۳۸ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۲۶ و جلد اول ص ۱۹۹

۱۳۹ ملاحظہ ہو تذکرۃ العابدین مولفہ مولوی نذیر احمد دیوبندی (دلی پرنٹنگ ورکس ۱۳۳۳ھ)

۱۴۰ مناظر احسن گیلانی۔ سوانح قاسمی۔ حصہ دوم ص ۲۵۳ (دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ)

۱۴۱ ایضاً ص ۲۳۸ و ۲۵۳

۱۴۲ مولانا محمد یعقوب نانوتوی — حالات محمد قاسم صاحب نانوتوی رح (ص ۳۹ مطبع صادق الانوار بہاولپور ۱۲۹۷ھ)

۱۴۳ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ مرقومات امدادیہ (حاجی امداد اللہ کے خطوط مرتب کئے ہیں) (مکتبہ برہان دہلی ۱۹۷۹ء)

۱۴۴ منشی فضل حق ۔ سوانح مخطوط ۔ (مولانا گیلانی نے سوانح قاسمی میں ص ۲۵۵ جلد دوم پر حوالہ تحریر کیا ہے)

۱۴۵

نذیر احمد دیوبندی ۔ تذکرۃ العابدین ۔ ص ۶۲ و ۶۳

۱۴۶ سید محبوب رضوی ۔ تاریخ دیوبند ۔ طبع دوم ص ۲۹۸ (علمی مرکز دیوبند ۱۳۹۲ھ)

۱۴۷ ایضاً ص ۳۰۰

۱۴۸ ایضاً ص ۲۹۸

۱۴۹ م ۔ ا ۔ گیلانی ۔ سوانح قاسمی حصہ دوم ۔ ص ۲۲۷ و ۲۲۸ کا حاشیہ

۱۵۰ ایضاً ص ۲۶۷ و ۲۶۸

۱۵۱ س ۔ م ۔ رضوی ۔ تاریخ دیوبند ۔ طبع دوم ص ۴۸۱

۱۵۲ م ۔ ا ۔ گیلانی ۔ سوانح قاسمی حصہ دوم ص ۲۳۹ و ۲۴۰ بحوالہ سوانح مخطوط از منشی فضل حق

۱۵۳ س ۔ م ۔ رضوی ۔ تاریخ دیوبند ۔ طبع دوم ص ۴۸۱

۱۵۴ س ۔ م ۔ رضوی ۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ۔ جلد دوم ص ۲۲۵ (دارالعلوم دیوبند ۱۹۱ء)

۱۵۵ نظامی صاحب نے تاریخ مشائخ چشت ص ۲۹۳ میں یہی تحریر کیا ہے
لیکن حاجی امداد اللہ کی تاریخ پیدائش ۱۲۳۳ھ صفر کا مہینہ ہے ۔

۱۵۶ پروفیسر خلیق احمد نظامی ۔ تاریخ مشائخ چشت ۔ جلد اول ص ۲۹۳ ۔ ۲۹۵
(دہلی ۱۹۸۰ء)

۱۵۷ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ۔ مقدمہ امداد المشتاق مولفہ مولانا اشرف علی تھانوی رح (دہلی ۱۹۸۱ء)
بحوالہ احوال و آثار شیخ والعرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح مولفہ شاہ نفیس الحسینی مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۰ء

۱۵۸ مولانا یعقوب نانوتوی رح - سوانح عمری مولانا قاسم ص ۲۶ (مشمولہ سوانح قاسمی از مولانا گیلانی جلد اول)

۱۵۹ ایضاً ص ۲۴

۱۶۰ م - ا - گیلانی - سوانح قاسمی جلد اول ص ۱۴۶

۱۶۱ مولانا یعقوب نانوتوی رح - سوانح عمری مولانا قاسم ص ۲۵ (مشمولہ سوانح قاسمی)

۱۶۲ ایضاً ص ۲۶ تا ۲۸

۱۶۳ ایضاً ص ۳۲-۳۳

۱۶۴ م - ا - گیلانی - سوانح قاسمی حصہ اول ص ۲۹۴
بحوالہ قصص الاکابر - ماہنامہ الہادی ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

۱۶۵ م - ا - گیلانی - سوانح قاسمی - حصہ دوم ص ۱۷۳

۱۶۶ ایضاً ص ۱۷۲ تا ۱۹۳

۱۶۷ ایضاً ص ۱۹۳ و ۱۹۴

۱۶۸ مولانا عاشق الٰہی - تذکرۃ الرشید - حصہ اول - ص ۸۰ تا ۸۵ (طبع اول محبوب المطابع دہلی)

۱۶۹ مولانا یعقوب نانوتوی - سوانح عمری مولانا قاسم ص ۳۹ (مشمولہ سوانح قاسمی)

۱۷۰ ایضاً ص ۴۰ تا ۴۴ (و سوانح قاسمی از مولانا گیلانی ص ۳۵۶ تا ص ۵۱۴)

۱۷۱ م - ا - گیلانی - سوانح قاسمی - حصہ دوم ص ۸ و ۹ بحوالہ رسالہ آبحیات کا دیباچہ مصنفہ مولانا قاسم -

۱۷۲ ملاحظہ ہو سوانح قاسمی مصنفہ مولانا گیلانی رح

۱۷۳ ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی - طبع اول محبوب المطابع دہلی -

۱۷۴ مولانا عاشق الٰہی - تذکرۃ الرشید پہلا حصہ ص ۲۹

۱۷۵ ایضاً ص ۴۱

۱۷۶ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ۔ حسن العزیز (ملفوظات مولانا اشرف علی تھانوی رح) جلد اول ص ۶۱۷ ملفوظ ۵۹۳ (مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون)

۱۷۷ مولانا عاشق الٰہی ۔ تذکرۃ الرشید پہلا حصہ ص ۴۶

۱۷۸ م ۔ ا ۔ گیلانی ۔ سوانح قاسمی ۔ جلد سوم ص ۱۳۶

۱۷۹ مولانا عاشق الٰہی ۔ تذکرۃ الرشید حصہ اول ص ۲۴۷

۱۸۰ ایضاً حصہ دوم ص ۱۸۶ و ۱۸۷

۱۸۱ عزیز الحسن مجذوب ۔ حسن العزیز جلد اول ص ۵۶۴ ملفوظ ۵۶۹

۱۸۲ ایضاً ص ۶۱۷ ملفوظ ۵۹۳

۱۸۳ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رح ۔ فضائل صدقات حصہ دوم ص ۳۰۱ (تبلیغی کتاب گھر نئی دہلی)

۱۸۴ ملاحظہ ہو اشرف السوانح مؤلفہ عزیز الحسن مطبوعہ جمال پریس دہلی ۱۳۵۴ھ

۱۸۵ سید محبوب رضوی ۔ تاریخ دار العلوم دیوبند ۔ جلد دوم ص ۵۱ و ۵۲ طبع اول جید پریس دہلی ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء

۱۸۶ عزیز الحسن ۔ حسن العزیز جلد اول ص ۳۶

۱۸۷ ایضاً ص ۳۳۹

۱۸۸ مولانا عاشق الٰہی ۔ تذکرۃ الخلیل ص ۳۳ (مشہور آفسیٹ پریس کراچی ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۱ء) ص ۳۳

۱۸۹ ایضاً ص ۴۰
و سید محبوب رضوی ۔ تاریخ دار العلوم دیوبند جلد دوم ص ۳۱

۱۹۰ مولانا عاشق الٰہی ۔ تذکرۃ الخلیل ص ۳۳۹ (کراچی ۱۳۹۰ھ)

۱۹۱ میاں اصغر حسین ۔ حیات شیخ الہند ۔ طبع دوم ص ۹ (دار الکتب اصغریہ دیوبند ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۹ء)

۱۹۲ محمد ایوب قادری ۔ "مولانا محمد احسن نانوتوی" ۔ ص ۲۷ (جاوید پریس کراچی ۱۹۶۶ء)

۱۹۳ سید حسین احمد مدنی ۔ نقش حیات ۔ جلد دوم ص ۲۳۳ (دی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء)

کتب و رسائل

۱۔ البیان المتین فی بعض احوال الشیخ شمس الدین ۔ مشمولہ تربیت السالک ۔ جلد سوئم ۔ مرتبہ مولانا خیر محمد جالندھری ۔ (مطبوعہ لاہور)

۲۔ خزینۃ الاصفیاء ۔ مفتی غلام سرور لاہوری ۔ جلد اول ۔ (مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۰ھ)

۳۔ سیر العارفین ۔ شیخ جمالی ۔ ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری (لاہور ۱۹۷۶ء)

۴۔ نزہۃ الخواطر ۔ مولانا حکیم عبدالحیٔ حسنی ۔ (حیدر آباد دکن ۱۳۷۸ھ)

۵۔ سردار شہیداں ۔ مرتبہ مولانا امداد صابری ۔ ناشر مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ ۱۹۸۲ء

۶۔ مقدمہ وحدۃ الوجود والشہود ۔ جناب ثناء الحق ۔ ایم ۔ اے ۔ (کراچی ۱۹۶۳ء)

۷۔ اشرف السوانح ۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ۔ (مطبوعہ ۱۳۵۴ھ تا ۱۳۵۷ھ)

۸۔ سیرت اشرف ۔ منشی عبدالرحمٰن خاں ۔ جلد اول و دوئم ۔ (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ و ۱۹۷۹ء)

۹۔ شمائم امدادیہ ۔ مولفہ حاجی محمد مرتضیٰ خاں ۔ (قومی پریس ۔ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ)

۱۰۔ امداد المشتاق ۔ مولفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ ۔ (تھانہ بھون ۱۳۴۳ھ)
(اشاعت جدید مع مقدمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ۔ مکتبہ برہان ۔ دہلی ۱۹۸۱ء)

۱۱۔ جنتری صد سالہ ۔ مرتبہ لال شیام لال ۔ از ۱۸۰۱ء تا ۱۹۰۰ء (مطبوعہ کانپور ۱۹۰۶ء)

۱۲۔ ماہنامہ الفرقان ۔ لکھنؤ ۔ جلد ۴۹ ۔ شمارہ ۳ ۔ بابت مارچ ۱۹۸۱ء ۔ (مضمون: "حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ کے اساتذہ ۔ از جناب نور الحسن راشد کاندھلوی)

۱۳۔ کرامات امدادیہ ۔ مولانا اشرف علی تھانوی ؒ (انتظامی پریس کانپور)

۱۴۔ ارواح ثلاثہ ۔ مرتبہ مولوی ظہور الحسن کسولوی ۔ (مطبوعہ کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور)

۱۵۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی ۔ از مولانا محمد میاں صاحب (مطبوعہ محمودیہ لاہور)

۱۶۔ حیات امداد ۔ انوار الحسن شیرکوٹی ۔ (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء)

۱۷۔ مثنوی مولانا روم ۔ دفتر ہفتم ۔ از مولانا شیخ محمد تھانوی ؒ (محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۷ھ)

۱۸۔ نور محمدی ۔ مختصر سوانح عمری میاں جیو نور محمد صاحب علوی جھنجھانوی ؒ ۔ مرتبہ جناب نسیم احمد

جھنجھانوی ۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ اسلامیہ عربیہ نور محمدیہ ۔ جھنجھانہ ۔ ضلع مظفر نگر۔
۱۹۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ اگست ۱۹۶۹ء مضمون جہاد شاملی و تھانہ بھون از ثناء الحق ۔ ایم اے۔
۲۰۔ تذکرۃ الرشید ۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ۔ (اشاعت العلوم سہارنپور ۱۹۷۷ء)
۲۱۔ انوار قاسمی ۔ انوار الحسن شیرکوٹی (ادارہ مجددیہ لاہور ۱۳۸۹ھ)
۲۲۔ مونس مہجوراں ۔ حکیم ضیاء الدین رام پوری ۔ ناشر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ ۔
۲۳۔ حالات مولانا محمد قاسم ۔ از مولانا محمد یعقوب ۔ (صادق الانوار بھاولپور ۱۲۹۷ھ)
۲۴۔ بیاض یعقوبی ۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی (تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون)
۲۵۔ مکتوبات اکابر دیوبند ۔ جامع دفتری نور الحق ۔ مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی ۔ (معراج بک ڈپو ۔ دیوبند)
۲۶۔ روداد سالانہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند بابت ۱۳۱۱ھ
۲۷۔ مرقومات امدادیہ ۔ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خطوط جو مولانا اشرف علی تھانوی نے امداد المشتاق میں شائع کئے تھے ۔ اشاعت جدید ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی مرتب کردہ ہے جو مکتبہ برہان دہلی سے ۱۹۷۹ء میں طبع شدہ ہے)
۲۸۔ ضیاء القلوب ۔ مصنفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ۔ (مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۲۸۴ھ)
۲۹۔ کلیات امدادیہ ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ۔ (فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۱۴ھ)
۳۰۔ رسالہ در بیان وحدۃ الوجود ۔ حاجی امداد اللہ ۔ (کتبخانہ اشرفیہ ۔ راشد کمپنی دیوبند)
۳۱۔ مکاتیب رشیدیہ ۔ مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (اشاعت العلوم سہارنپور)
۳۲۔ مکتوبات امدادیہ ۔ مع صد خوائد اشرفیہ ۔ مرتبہ مولینا اشرف علی تھانوی (مکتبہ تالیفات اشرفیہ ۔ تھانہ بھون ۱۳۹۱ھ)
۳۳۔ تیسیر القاری ۔ مع اردو ترجمہ صحیح البخاری ۔ از مولانا وحید الزماں صاحب وقار نواز جنگ (مطبوعہ مکتبہ سراج الدین لاہور)
۳۴۔ فضل الباری ۔ شرح اردو صحیح بخاری ۔ از قاضی عبد الرحمٰن ۔ جلد اول (کراچی ۱۳۹۳ھ)

۳۵۔ مکتوبات شیخ الاسلام ۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ ۔ (مکتبہ دینیہ دیوبند)

۳۶۔ فیض الباری ۔ (اردو ترجمہ) شرح صحیح بخاری شریف ۔ از مولانا الحسن محدث ۔ حصہ اول ۔ (مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۴ھ)

۳۷۔ گنجینۂ معرفت ۔ ترجمہ کیمیائے سعادت امام غزالیؒ ۔ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۱ھ)

۳۸۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۔ مترجم (مطبع احمدی دہلی ۱۳۱۱ھ)

۳۹۔ اکابر کا سلوک و احسان ۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ (سہارنپور ۱۳۹۶ھ)

۴۰۔ غنیۃ الطالبین ۔ از حضرت غوث اعظم سید محی الدین عبد القادر جیلانیؒ ۔ اردو ترجمہ جناب امان اللہ خاں ارمان ۔ (مطبوعہ دہلی ۱۹۷۹ء)

۴۱۔ تاریخ مشائخ چشت ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ۔ (دہلی ۱۹۸۰ء)

۴۲۔ نفحات الانس ۔ مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ ۔ اردو ترجمہ شمس بریلوی ۔ (کراچی ۱۹۸۲ء)

۴۳۔ عوارف المعارف از شیخ عمر بن محمد شہاب الدین سہروردیؒ ۔ اردو ترجمہ رشید احمد ارشد (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء)

۴۴۔ سبع سنابل ۔ شیخ عبد الواحد بلگرامی ۔ (مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۱ھ)

۴۵۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ۔ از مولانا سید زوار حسین (کراچی ۱۳۹۲ھ)

۴۶۔ تسلسلات امدادیہ ۔ ڈاکٹر ماجد علی خانصاحب ۔ (کتب خانہ اختری سہارنپور)

۴۷۔ ارشاد مرشد ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۔ (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۶ھ)

۴۸۔ سیرت حضرت سید احمد شہیدؒ ۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی (لکھنؤ ۱۳۹۷ھ)

۴۹۔ تصفیۃ القلوب ۔ اردو ترجمہ ضیاء القلوب (فارسی) مصنفہ حاجی امداد اللہ ۔ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء)

۵۰۔ ترجمہ خطبات گارساں دتاسی ۔ (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۵ء)

۵۱۔ تاریخ دار العلوم دیوبند ۔ سید محبوب رضوی (دار العلوم دیوبند ۱۹۷۷ء) جید پریس دہلی

۵۲۔ مدرسہ عربی اسلامی دیوبند کا زرین ماضی و مستقبل ۔ مولانا حافظ محمد احمد (افضل المطابع دہلی ۱۳۲۸ھ)

۵۳ ۔ سید محبوب رضوی ۔ تاریخ دیوبند ۔ طبع دوم (علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۲ء)
۵۴ ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۔ سوانح قاسمی ۔ (دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ)
۵۵ ۔ میاں اصغر حسین ۔ حیات شیخ الہند (مکتبہ اصغریہ دیوبند ۱۹۴۸ء)
۵۶ ۔ مولوی نذیر احمد دیوبندی ۔ تذکرۃ العابدین (دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۳۳ھ)
۵۷ ۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ۔ تذکرۃ الخلیل ۔ (مشہور آفسیٹ پریس کراچی ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۱ء)